

ماہنامہ محدث لاہور

شمارنمبر:11 ۔۔۔۔جلد نمبر1 ۔۔۔۔ شمارہ نمبر12 ۔۔۔۔ نومبر1917ء۔۔۔۔رمضان المبارک 1391ھ

ماہنامہ ’محدث‘ لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ ’محدث ‘لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔جس کا نام محدث تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ ’محدث ‘ لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس کا اِجراء کیا- یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتناہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے ’محدث‘ وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20روپے   زرِسالانہ: 200روپے   بیرون ملک: 20ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 4600861 - 0305

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com ____www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

ماہنامہ محدث لاہور

اجرائے مُحدث کے مقاصد

عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

فکر و نظر

رمضان شریف

یہ مہینہ صیام و قیام کا ہے۔ پورا مہینہ روزے رکھنا ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اس ماہ کے صیام و قیام کی فرضیت اور فضیلت کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ احکام، صیام و قیام کے متعلق بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔ ہمارا رسالہ ''تعلیم الصوم'' بھی انہی احکام پر مشتمل ہے۔

شعبان کے آخری روز سرورِ عالم ﷺ نے صحابہؓ کو خطاب فرمایا اور رمضان المبارک کی خصوصیات و فضائل کے بارے میں ایک جامع خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! ایک بہت بڑے اور بابرکت مہینے نے اپنے سایۂ رحمت کے نیچے تمہیں لے لیا ہے۔ اس مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو اپنے فضائل و برکات کے لحاظ سے ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور رات کے قیام و نمازِ تراویح کو نفل قرار دیا ہے۔ اس مہینے میں جس کسی نے نفل عبادت کے ذریعے تقرّب الٰہی حاصل کیا، اس کا اجر و ثواب ویسا ہی ہوا، جیسا کہ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں فرض کا ہوتا ہے اور جس کسی نے اس مہینے میں فرض عبادت ادا کی اس کا اجر و ثواب اس قدر ہو گا جس قدر کہ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ستر مرتبہ ادائیگی فرض کا ہوتا ہے۔ یہ صبر و برداشت کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب اللہ کے ہاں جنت ہے۔ یہ مہینہ ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک اور احسان و مروت کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کسی نے اس مہینہ میں روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو یہ عمل اس کے گناہوں کی بخشش اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہو گا اور روزہ افطار کرانے والے کو ویسا ہی روزے کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ خود روزہ رکھنے والے کو، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بعض لوگ اس قدر استطاعت نہیں رکھتے کہ روزہ افطار کرا سکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہی ثواب اس شخص کو بھی دیگا جو روزہ دار کا روزہ ایک کھجور یا دودھ یا پانی کے ایک گھونٹ سے بھی افطار کرائے، البتہ جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہوا اور اسے اس کا پروردگار میرے حوض سے ایسا مشروب پلائے گا جس کے بعد اسے کبھی بھی پیاس نہیں ستائے گی۔ اس مہینہ کا پہلا دہا کہ موجبِ رحمت الٰہی، اور درمیان کا، موجبِ مغفرتِ الٰہی اور آخری دہا کہ عذابِ جہنم سے نجات کا موجب ہوتا ہے۔ جس کسی نے اس مہینہ میں اپنے غلام کی محنت و مشقت میں تخفیف کر دی، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور دوزخ سے نجات دے گا۔

فضائلِ رمضان اور صوم و قیامِ رمضان کے متعلق احادیث کثرت سے بیان ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اور کوئی بھی حدیث نہ ہوتی تو یہی ایک حدیث کفایت کرتی۔

اس مہینے میں اعتکاف کرنا دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں افضل ہے۔ بالخصوص آخری عشرہ میں اس کی تاکید آئی ہے۔ اس مہینہ میں عمل صالح کے لئے دیگر مہینوں سے زیادہ کوشش کرنا مسنون ہے۔

لیلۃ القدر کے قیام کے لئے خاص طور پر کوشاں ہونا چاہئے۔ یہ رات کون سی ہے؟ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح منتقیٰ میں ۴۷ قول بادلائل نقل کئے ہیں اور ان پر بحث کر کے یہ بتایا ہے کہ زیادہ امکان یہی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں، بالخصوص ستائیسویں کو ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ جو شخص مستحبات کا متلاشی ہو، اسے عشرہ آخر کی تمام راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے کوشاں ہونا چاہئے۔ ے

بجستجوئے نیابد کسے مراد و لے

کسے مراد بباید کہ جستجو وارد!

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جو روزے رکھے اور شبِ قدر کا اجر و ثواب طلب کرنے کی نیت سے قیام کرے اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، رمضان کا یہ مبارک مہینہ ہے۔ اللہ نے اس کے روزے فرض قرار دیئے ہیں۔ اس میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ سرکش شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار رات سے بہتر ہے جو کوئی اس کے خیر سے محروم رہا، وہ حرماں نصیب ہے۔" (احمد، نسائی)

(اتباع الحسنۃ فی جملہ ایام السنۃ للنواب صدیق حسن خاںؒ)

روزہ

مولانا عبد السلام کیلانی فاضل مدینہ یونیورسٹی
ترتیب واضافہ: ادارہ

لغوی معنی:

قرآن مجید، حدیث نبوی اور عربی لغت میں روزے کے لئے لفظ صوم استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ کسی چیز کا نام رکھتے وقت اس کے اصلی وصف کا پورا لحاظ ہوتا ہے۔ یہی حال صوم کا ہے جس کے اصلی معنی رکنے کے ہیں۔ چنانچہ امام لغت ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں:

كُلُّ مُمْسِكٍ عَنْ طَعَامٍ اَوْ كَلَامٍ اَوْ سَيْرٍ فَهُوَ صَائِمٌ

کھانے، بولنے اور چلنے سے رکنے والے کو صائم کہتے ہیں۔

چند عربی محاورات بطور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

صَامَ الْفَرَسُ- گھوڑا چارہ کھانے سے رُک گیا، صَامَ النَّهَارُ- دوپہر ہونے کی وجہ سے (مسافر سفر سے) رک گیا۔ مَاءٌ صَائِمٌ بہنے سے رکا ہوا پانی، صَامَ الرِّيَاحُ ہوائیں رک گئیں۔

قرآن مجید میں ہے۔ ''اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا'' میں نے رحمان کے لئے (چپ رہنے کی) نذر مانی ہے اس لئے آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔ (مختار الصحاح وغیرہ)

شرعی معنی:

شرع میں روزہ اللہ کی رضا کے لئے پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات سے رکنے کا نام ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ الْاِمْسَاكُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالوِقَاعِ بِنِيَّةٍ خَالِصَةٍ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لِمَا فِيْهِ مِنْ زَكٰوةِ النُّفُوْسِ وَطَهَارَتِهَا وَتَنْقِيَتِهَا مِنَ الْاَخْلَاطِ الرَّدِيَّةِ وَالْاَخْلَاقِ الرَّذِيْلَةِ

خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کھانے پینے اور مجامعت سے رک جانے کا نام روزہ ہے جس سے تزکیہ نفس، تنقیہ سوء مزاج اور بری عادات سے درستگی حاصل ہوتی ہے۔ مصنف ہدایہ کے فاضل استاذ عبد الرحمن بخاری (متوفی ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

روزہ سے مراد پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات سے رُک جانا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ (متوفی ۴۵۶ھ) نے مراتب الاجماع میں ان چیزوں (کھانا، پینا اور جماع) کو متفق علیہ شمار کیا ہے۔ سیاق قرآن مجید کا بھی یہی حاصل ہے۔

روزے کا مدعا:

جب روزے دار کے لئے غروب آفتاب سے لے کر طلوعِ فجر تک حلال چیزیں بھی روزہ کے وقت (طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک) حرام ہو

جاتی ہیں تو جو چیزیں ہمیشہ سے حرام تھیں ان سے پرہیز کرنا کس قدر ضروری ہے؟اس طرح روزہ کی ظاہری صورت سے مقصد اس کی حقیقت(حرام سے تقویٰ)کی تربیت دینا ہے۔چنانچہ انسان کو جب بھوک ستاتی ہے،پیاس بے حال کرتی ہے تو جذبات کا جنون ختم ہو جاتا ہے۔ادھر نفسانی خواہشات کے دبانے سے نفس زیر ہوا ہے اُدھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کبار شیاطین رمضان میں قید ہو جاتے ہیں۔اس طرح حق کی تابعداری آسان ہو جاتی ہے۔نفس کے زیر ہونے پر ضمیر جاگ اُٹھتا ہے۔احکام،ربانی کی وقعت اس کے دل ودماغ میں گھر کر جاتی ہے۔ضمیر کہتا ہے خواہ تجھے پیاس ستائے پانی پینے کی اجازت نہیں کہ تمہارا خالق تمہیں دیکھ رہا ہے۔وقت سے پہلے پی لیا تو ناراض ہوا۔کھانا بھی چھوڑنا ہوا۔کہیں حکم عدولی نہ ہو۔زبان سے بری باتیں اور اعضائے جسمانی سے برے کام صادر ہوئے تو نہ صرف بھوک پیاس کا ثواب جاتا رہے گا بلکہ گناہ ہو گا۔

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ تَزَوَّجُوا فَإِنَّه اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَاَغَضُّ لِلْبَصَرِ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّه لَه وِجَاءٌ ۔

نوجوانو!شادی کرو کیونکہ یہ شرم گاہ کی حفاظت اور بد نظر سے بچاؤ کی بہت مدد ومعاون ہے۔اگر نکاح کی طاقت نہ ہو تو روزے رکھو کہ یہ خصی ہونے کے مترادف ہے(کیونکہ اس سے شہوت بہ کم ہو جاتی ہے)۔

یعنی روزے کا اصل مدعا یہ ہے کہ انسان برائی سے بچنے کی مشق کرے۔اور یہی وہ چیز ہے جس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔قرآن مجید میں یوں ذکر ہے"يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔"

ایمان دارو!تم پر پہلی امتوں کی طرح روزے فرض ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

متقی اور پرہیز گار وہی ہوتا ہے جو ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے۔مسنون اعمال کرتا ہے۔مسنون اعمال کو حرز جاں بناتا ہے اور یہ وہ رنگ وبو ہے جو صرف روزہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

روزہ کی عالمگیر حیثیت:

مذکورہ بالا آیات میں كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے الفاظ سے روزے کی عالمگیر حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔یعنی روزہ پہلی اُمتوں پر بھی فرض رہا ہے اور تاقیامت امت محمدیہ ﷺ پر فرض کر دیا گیا ہے۔تاریخ عالم کے مطالعہ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ایک مورخ کا کہنا ہے،دنیا میں آج تک جتنے بھی مذاہب گزرے ہیں روزہ کسی نہ کسی صورت میں سب میں موجود رہا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات اترنے سے پہلے (چالیس)روزے رکھے۔حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ابتدائے وحی سے قبل غارِ حرا میں روزے رکھا کرتے تھے اور پہلی وحی کے وقت بھی آپ روزہ سے تھے۔بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کو جب گیان(روشنی)نصیب ہوا تو وہ روزہ سے تھا۔

علامہ فرید وجدی نے دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں افریقی جنگلات کے باسیوں میں بھی روزے کا ہونا ذِکر کیا ہے۔

احادیث میں بھی پہلی امتوں اور پیغمبروں کے روزوں کا ثبوت ملتا ہے۔مذکورہ بالا بیان سے روزے کی عالمگیر اور بین الاقوامی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

روزہ امت محمدیہ ﷺ میں:

امت محمدیہ کے لئے روزہ دو قسم کا ہے۔(۱) نفلی (۲) فرضی۔ نفلی روزہ رمضان اور عیدین کے علاوہ کسی بھی موقع پر رکھا جا سکتا ہے۔اس سلسلہ میں ہدایات اور شرائط کتبِ مسائل و احکام میں موجود ہیں۔ فرضی روزہ بھی کئی طرح کا ہے۔رمضان کا روزہ اور کفارے وغیرہ کا روزہ۔

یہاں میرا مقصد ماہِ رمضان کی مناسبت سے رمضان کے روزے کا بیان کرنا ہے۔اس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

روزہ کی فرضیت:

ابتدائے اسلام میں سال بھر میں صرف ایک روزہ تھا۔ پھر بتدریج رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ چنانچہ بخاری شریف کتاب الصوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے کہ عرب عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا۔جب رمضان فرض ہوا تو جو عاشورے کے دِن چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا افطار کر لیتا۔عاشورہ کی فضیلت عرب میں معروف تھی، چنانچہ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ عرب ۱۰ محترم کو جسے عاشورہ کہتے ہیں روزہ رکھتے تھے۔اسی روز خانہ کعبہ پر غلاف بھی چڑھاتے تھے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۷ بحوالہ زرقی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے عاشورہ کے روز خانہ کعبہ کو غلاف چڑھایا۔

جب ہجرت کا حکم ہوا تو معلوم ہوا کہ یہودی بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔رسول اکرم ﷺ نے استفسار فرمایا کہ یہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن (فرعون) سے نجات دی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (ازراہِ تشکر) یہ روزہ رکھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے میرا تعلق تم سے بڑھ کر ہے اس لئے مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی زیادہ تاکید فرمادی بعد ازاں اس کے ساتھ ۹ محرم یا ۱۱ محرم کے روزے کا بھی ارادہ ظاہر فرمایا۔اس کے ساتھ ساتھ ہر ماہ کے تین روزے رکھنے کی ترغیب دلائی۔اس طرح بتدریج (قبلہ کی تبدیلی کے ایک ماہ بعد) ہجرت کے اٹھارویں ماہ یعنی ماہ شعبان ۲ھ میں رمضان کی فرضیت نازل ہوئی۔

شبہ:

بعض لوگوں کو وہم ہے کہ چونکہ ابتدائے اسلام میں غربت تھی اس لئے روزے کا سبق دیا گیا چنانچہ کمیونسٹ اسی بات کا دھوکہ دے کر مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں۔

ازالہ شبہ:

یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جنگ بدر ماہِ رمضان ۲ھ میں ہوئی اور اسی سال روزے فرض ہوئے جیسا کہ ابھی ابھی بیان ہوا ہے، اور جنگ بدر کے بعد مسلمان روز افزوں ترقی پذیر تھے۔ تنگی کے دِن گزرتے گئے۔ فراخی کے دِن آنے لگے۔ اگر روزے صرف غربت کی بناء پر رکھے

جاتے تو روزے ہجرت سے کافی دیر پہلے فرض ہو جاتے۔

روزہ اور قمری مہینہ:

جس طرح اسلامی حساب و کتاب بجز روزینہ (موّقت) اعمال کے اور تقریبات قمری مہینوں پر منحصر ہیں۔ اسی طرح دیگر آسمانی مذاہب کے تمام تہوار اور اوقات بھی قمری مہینوں کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے جن سے چار حرمت کے ہیں اور یہ چیز بالکل واضح ہے کہ حرمت کے چار ماہ صرف قمری ہیں شمسی نہیں۔

''تاریخ عالم'' میں ہے کہ پرانے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ملکوں کی سابقہ تاریخ قمری مہینوں کے ماتحت ہے۔ عیسائی مورخ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے تمام مذہبی تہوار دراصل قمری مہینوں سے متعلق تھے جن کو شمسی مہینوں کے تابع کر دیا گیا ہے۔

شمسی مہینوں کا حساب خود ساختہ ہے۔ اس کا سب سے پہلے حساب یونانی نجومی عالم ہر گوس نے ۲۰۰ ق م میں لگایا لیکن اس سے چھ منٹ کی غلطی رہ گئی جسے بعد میں لیپ کے سالوں میں فروری کا ایک دن بڑھا کر پرا کیا گیا۔

ایسا مشکل حساب کسی عالم گیر مذہب کے ساتھ کیسے چل سکتا ہے؟ شہروں میں انسان ڈائریاں لکھتا پھرتا ہے۔ دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں اور جزیروں میں آباد مخلوقِ خدا کیا کرے گی؟ ہاں چاند کو دکھ کر ہر ایک شخص تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لئے بھی عین مناسب تھا کہ روزے کسی قمری مہینے میں فرض ہوں۔ نیز مہینوں میں موسمی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں نومبر دسمبر ہمیشہ سردی میں لپٹے آتے ہیں۔ جون جولائی چھتریاں لے کر نمودار ہوتے ہیں۔ اگر شمسی مہینوں میں روزہ رکھنے کا حکم ملتا تو بعض علاقے ہمیشہ سردیوں میں روزہ رکھتے اور باقی علاقے گرمیوں میں روزہ رکھتے۔ کیونکہ جب ہمارے ہاں براعظم ایشیا میں سردی ہوتی ہے تو جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے ملکوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ ان کے لئے تکلیف مالا یطاق ہوتی۔

اس لئے مناسب تھا کہ قمری مہینے مقرر کئے جاتے تاکہ مساوات قائم رہے۔

روزہ اور رویت ہلال:

بعض ریاضی دانوں نے چاند کی منازل اور دوائر کے حساب سے ایک تقویم تیار کی ہے جس کا فی حد تک مکمل نقشہ آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل مصر کے علامہ مؤید شیرازی نے اپنے خطبات میں پیش کیا تھا۔ مصر میں فاطمیین (باطنیہ، اسماعیلہ) رویت ہلال کی بجائے اسی کے قائل تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ قبل ''نظام الصوم عند الفاطمیین'' کے نام سے ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ تقویم کا خود ساختہ حساب جسے مختلف ملکوں میں اسلامی تقریبات کے لئے وحدتِ اوقات کا سبب سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلام جیسے عالم گیر مذہب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسلامی احکامات اپنی عمومیت اور ابدیت کے ساتھ اتنے آسان بھی ہیں کہ ہر خاص و

عام، عالم و جاہل، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصہ کا مکین کیوں نہ ہو، ان پر آسانی سے عمل پیرا ہو سکتا ہے۔

اس کے بر عکس اگر اسلام شمسی یا قمری تقویموں کا عملی حساب پیش کرتا ہے تو اس سے صرف علم ریاضی سے واقف لوگ اور مخصوص زمان و مکان کے لوگ ہی مستفید ہو سکتے۔ اور یہ بات اسلام کی اپنی ہی روح کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''اَلدِّیْنُ یُسْرٌ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، مسائل میں عالم سے زیادہ جاہل اور طاقت ور سے زیادہ کمزور کا لحاظ رکھتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ گھڑیوں اور ڈائریوں کے اتنا عام ہونے کے باوجود ہمارے دیہات کے رہنے والے لوگوں اور بڑے بوڑھوں کو ستاروں سے وقت اور چاند سے تاریخیں معلوم کرنے میں زیادہ آسانی ہے۔ اسلام جس کے مخاطبِ اولین ہی امی لوگ تھے۔ ایسا مشکل حساب و کتاب کیسے پیش کر سکتا ہے؟ اسی لئے اس نے رویت ہلال (بصری) کا اعتبار کیا ہے۔

روزہ اور رمضان:

ہر سال ماہ رمضان میں روزے رکھنا فرض ہے۔ روزے اور رمضان کی مناسبت بھی خوب ہے۔ چنانچہ رمضان کے دوسرے لغوی معنوں میں ایک معنی یہ بھی ہے کہ سان پر تیر کے پھالے کو رکھ کر دوسرے لوہے سے کوٹنا تاکہ پتلا، تیز اور سیدھا ہو جائے۔ اسی طرح نفس انسانی کو رمضان کے سان پر رکھ کر روزے کے ہتھوڑے سے کوٹا جاتا ہے تاکہ یہ جذباتی نہ ہو بلکہ عقل و حکمت میں تیز ہو۔ سیدھی راہ چلنا اور اس کے لئے آسان ہو اور اس کا دل نرم پڑ جائے تاکہ فکر خاوندی اثر کرے۔ چونکہ ایسے پر مغز معانی کسی اور ماہ میں نہیں پائے جاتے اور عربی نعمت میں ہر چیز کو اس کی اصلیت سے خصوصی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے عین مناسب تھا کہ روزے جیسی ریاضتِ نفس، ماہِ رمضان میں ہوتی۔

قرآن مجید اسی ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ اور یہ ایک ایسی بابرکت اور ابدی نعمت ہے جس کے لئے اگر امت مسلمہ کو ساری عمر شکر گزاری کا موقع ملتا جائے تو بھی شکر ادا ہونا ناممکن ہے لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ شکر بجا آوری کا اظہار اکثر روزہ سے کرتے جیسا کہ یوم عاشورہ اور پیر کے روزوں سے ثابت ہوتا ہے اس لئے بھی عین مناسب تھا کہ ماہِ رمضان میں روزے رکھے جاتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واشگاف طور پر فرما دیا ہے۔ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' کہ رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اترا جس میں لوگوں کیلئے ہدایت اور ظاہر دلائل اور معجزے ہیں۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ رمضان کے فضائل اور اہمیت جتلا کر یہ حکم دے رہے ہیں کہ اتنی بڑی نعمت کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ تم روزے رکھو۔

پھر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے بھی اسی ماہ کی یکم تاریخ کو عطا ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور ۱۸ یا ۱۲ رمضان کو ملی۔ حضت موسیٰ علیہ السلام کو تورات ۶ رمضان کو عطا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضان کو ملی۔ (ملاحظہ ابن کثیر)

جب رمضان میں ہر کلامِ الٰہی کو خصوصی مناسبت ہوئی جو کہ ہر قسم کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے تو اتنی بڑی نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی ضروری تھا

جس کا اظہار روزے سے بڑھ کر اور کسی عبادت میں نہیں پایا جاتا۔

نوٹ:

روزوں کی تعداد میں حکمتِ عملی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بعض اصفیاء سے یہ بیان ہیں کہ جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت کھایا پھر توبہ کی تو جب تک درخت کا اثر پیٹ میں رہا توبہ قبول نہیں ہوئی۔ جب تیس روز کے بعد ان کا پیٹ صاف ہوا تو توبہ قبول ہوئی جس کی بناء پر ان کی اولاد نے تیس روزے رکھے۔ اس کے بعد حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ بات بلاسند نہیں کرنی چاہئے اور اس کی سند ملنا بھی بہت ہی دور کی بات ہے۔

وقت کی تعیین:

عرب میں دستور تھا کہ روزہ غروب آفتاب پر کھول لیتے۔ جب تک نیند نہ آتی کھاتے رہتے اور جب سو جاتے تو اگلی شام تک کھانا پینا بند ہو جاتا۔ یہی رواج عیسائیوں میں تھا جسے آج کل انہوں نے بدل ڈالا ہے۔ چنانچہ آج کل وہ روزہ آدھی رات سے دوپہر تک رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شروع میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں فرمایا۔ مسلمان مروجہ دستور کے مطابق روزہ رکھتے رہے حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے ایک کسان صحابی قیسؓ بن حرمہ انصاری کا واقعہ پیش آیا۔ روزہ رکھ کر دن بھر زمین میں کام کرتے کرتے پہلے ہی تھک گئے تھے۔ افطاری کے وقت گھر پہنچے۔ کھانے کی تیاری میں دیر تھی۔ انتظار کے لئے لیٹے لیکن نیند نے غلبہ پالیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ پہلا روزہ ابھی ختم نہیں ہوا اور دوسرا شروع ہو گیا۔ دوسرے روز پھر اپنے کاروبار کو چلے گئے۔ لیکن دوپہر سے پہلے طاقت جواب دے گئی اور غشیاں پڑنے لگیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تخفیف فرمادی اور حکم ہوا:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۔

"صبح کا سپید دھاگہ رات کے سیاہ دھاگے سے جدا ہونے تک کھاؤ اور پیو۔ پھر رات تک روزہ مکمل کرو۔"

اور رات کا آغاز چونکہ غروب آفتاب سے ہی شروع ہو جاتا ہے اس لئے یہی افطار کا وقت مقرر ہوا۔

فضیلت روزہ:

رسول اکرم ﷺ سے احادیث نبویہ میں روزے کے بہت سے فضائل ملتے ہیں۔ یہ ایک مستقل باب ہے جسے مکمل بیان کرنا اس مقالے کے پیش نظر ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی بطور مثال چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه (الحدیث)

"کہ جو شخص رمضان میں بحالت ایمان نیکی کے شوق سے روزہ رکھے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فِي الْجَنّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِّنْهَا بَابٌ يُّسَمّٰى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُله اِلَّا الصَّائِمُوْنَ ۔

"جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "ریان" ہے جس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔"

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً فرماتے ہیں:

ابن آدم کے تمام عمل دس گنا سے سات سو گنا تک شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر روزہ، کہ وہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں۔ اس نے میری خاطر اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑا! روزے دار کو وہ خوشیاں نصیب ہوتی ہیں ایک افطاری کے وقت اور دوسری خداوند کریم سے ملاقات کے وقت، روزے دار کے منہ کی بو خدا کے ہاں کستوری سے زیادہ عمدہ ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے تو جب کسی کا روزہ ہو تو نہ عورتوں سے میل ملاپ کرے اور نہ ہی شور مچائے۔ اگر کوئی گالی دے یا جھگڑے تو کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے ذکر کرتے ہیں۔

"روزہ دار قرآن دونوں بندے کی سفارش کرتے ہیں۔ روزہ کہتا ہے کہ میں نے اسے کھانے اور شہوت سے روکا ہے۔ میری سفارش قبول فرمائیں۔ قرآن مجید کہتا ہے میں نے اسے رات کو نیند سے روکا ہے میری سفارش مان لیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی سفارش قبول فرماتے ہیں۔" (بیہقی، شعب الایمان)

روزہ صحت کے لئے ضروری ہے:

روزہ صرف روحانی بیماریوں کا علاج نہیں بلکہ جسمانی روگوں کی بھی دوا ہے۔ امام طبرانی علیہ الرحمۃ نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوعاً بیان کی ہے۔

"جہاد کرو غنیمتیں حاصل ہوں گی، روزہ رکھو صحت حاصل ہو گی۔ سفر کرو تونگری ہو گی۔" امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔

تمام ڈاکٹر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تمام یا اکثر بیماریوں کی بنیاد معدہ ہے۔ مشہور عربی طبیب حارث بن کلوۃ کا کہنا ہے:

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحَمْيَةُ رَاسُ الدَّوَاءِ ۔

"معدہ بیماری کا گھر ہے اور (کھانے پینے کی) پرہیز دوا کی بنیاد ہے۔"

اگر کھانے پینے میں بھوک رکھ کر کھائے تو اکثر بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔ جتنا بھوکا رہے اتنا ہی طاقت ور ہو گا اور معدے کی طاقت بحال رکھنا صحت کا پیش خیمہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ روزہ رکھا جائے تاکہ جسمانی صحت برقرار رہے۔

ہمارے استاذ (مدینہ منورہ یونیورسٹی کے سابق شیخ الحدیث) جناب شیخ ناصر الدین البانی ناشاءاللہ قابلِ رشک صحت اور تنومند جسم کے مالک ہیں۔ ان سے استفسار کیا کہ آپ کچھ اپنے متعلق بیان کیجئے کہ ماشاءاللہ آپ کی صحت کیسے اچھی رہی؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کھانے پینے میں نہایت محتاط واقع

ہوئے ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ میں نے چالیس روز تک متواتر بھوکا رہنے کی ریاضت کی ہے کہ دن بھر میں صرف ایک کھجور کھالیتا۔ جس سے میری بگڑی ہوئی صحت ماشاء اللہ صرف درست ہی نہیں بلکہ کافی اچھی ہو گئی ہے۔

روزے سے دماغی قوتیں بڑھتی ہیں:

جب صحت درست ہو تو دماغ بھی صحیح کام کرتا ہے اور جب روزے سے صحت حاصل ہو جائے گی تو پھر دماغی قوتیں بھی بڑھ جائیں گی۔ مزید بر آں حکماء کا کہنا ہے کہ جب معدہ پُر ہو جائے تو دماغی قوتیں کام نہیں کرتیں اور جب معدہ خالی ہو تو تمام جسمانی قویٰ اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

يَا بُنَيَّ إِذَا امْتَلَأَتِ الْمِدْدَةُ نَامَتِ الْفِكْرَةُ وَخَرِسَتِ الْحِكْمَةُ وَقَعَدَتِ الْأَعْضَاءُ عَنِ الْعِبَادَةِ۔

”اے میرے بیٹے جب معدہ بھر جاتا ہے تو عقل و فکر اور سوچ بچار کا مادہ سو جاتا ہے حکمت گونگی ہو جاتی ہے۔ اعضاء عبادت سے کترانے لگتے ہیں۔“

علامہ محمد بن عبد الرحمن بخاریؒ کہتے ہیں۔

إِنَّه بِجُوْعِ بَطْنِه يَنْدَفِعُ جُوْعٌ كَثِيْرٌ مِّنْ حَوَاسِّه فَإِذَا أَشْبَعَ بَطْنَه جَاعَ عَيْنُه وَلِسَانُهُ وَيَدُه وَفَرْجُه فَكَانَ تَشْبِيْعُ النَّفْسِ تَجْوِيْعَهَا وَفِيْ تَجْوِيْعِهَا تَشْبِيْعُهَا فَكَانَ هٰذَا التَّجْوِيْعُ أَوْلٰى۔

”پیٹ کے (مناسب) بھوکا رہنے سے کئی قسم کے حواس کی بھوک زائل ہو جاتی ہے اور اس کے سیر ہونے سے آنکھ، زبان، ہاتھ، شرمگاہ (یعنی تمام حواس) بھوکے ہو جاتے ہیں (ان کی قوت ماند پڑ جاتی ہے) چونکہ پیٹ کو (مناسب طور پر) بھوکا رکھنا ہی ان حواس کو سیر کرنا ہے اس لئے اس (معدہ) کو ہی (مناسب) بھوکا رکھنا بہتر ہے۔“

روزے سے معرفتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے:

روزے کی تین سٹیجیں ہیں۔ پہلی سٹیج یہ ہے کہ انسان کھانے پینے سے پرہیز کرے۔ دوسری سٹیج یہ ہے کہ روزے دار ہر قسم کے گناہوں سے بچے۔ تیسری اور آخری سٹیج یہ ہے کہ دنیاوی پراگندہ خیالات سے منہ موڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔

چنانچہ علامہ محمد بن احمد المحلی المتوفی ۸۵۰ھ کہتے ہیں۔

روزے کی عمومی حیثیت یہ ہے کہ انسان پیٹ، شرمگاہ اور ہر عضو کی خواہش دبائے۔ اس کی خصوصی صورت یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بلکہ تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے لیکن اس کی آخری سٹیج یہ ہے کہ روزے دار خداوند تعالیٰ سے ہر غافل کرنے والی شے سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کر لے۔ بس اسی پیدا شدہ صورت سے معرفتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سب کچھ (خدا کے لئے) بھوکا رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اندرون از طعام خالی دار	تادروں نور معرفت بینی

تہی از حکمت بعدت آن	کہ پری از طعام تابینی

اگر تو اپنے لئے نور معرفت اپنانا چاہتا ہے تو اپنے پیٹ کو طعام سے (مناسب طور پر) خالی رکھ۔ حکمت سے تو اس لئے خالی ہے کہ تو ناک تک بھرا ہوا ہے۔

لیکن یہ تمام چیزیں اسی وقت پیدا ہوں گی جب کہ روزے دار خداوند تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر روزہ رکھے۔ ورنہ صرف دنیاوی مفاد اور جسم کی بحالی صحت کے لئے روزہ رکھے گا تو آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں۔ اور اگر ثواب کی نیت سے روزہ رکھے تو مندرجہ بالا تمام مفاد بھی اسے میسر ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی حاصل ہو گی جس سے آخرت بھی سنور جائے گی۔

روزہ ایک دوسرے سے ہمدردی سکھاتا ہے:

جب بھوک ستاتی ہے تو ان لوگوں کا خیال پیدا ہوتا ہے جو اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ اس سے اس کے دِل میں مسلمانوں بھائیوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ ابھر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے کہ ماہ رمضان ہمدردی کا مہینہ ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بیہقی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث موجود ہے جس میں ذِکر ہے۔

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُه الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤمِنِ ۔ الحديث

یہ صبر کا مہینہ ہے جس کا ثواب جنت ہے۔ یہ ہمدردی کا مہینہ ہے اس میں ایمان دار کا رزق بڑھ جاتا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہوا کہ روزہ رکھنے سے انسان کی ذاتی قوتیں بھی بڑھتی ہیں اور اجتماعی بیداری بھی حاصل ہوتی ہے۔ جذبات پر کنٹرول کرنا بھی آجاتا ہے اور قادر مطلق سے تعلق بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ نفس امارہ کی بجائے روح ایمانی کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ ہم سب مسلمان ماہ رمضان میں روزے کے ابدی اور وقتی ہر قسم کے فوائد سے فیض یاب ہوں۔ آمین یارب العالمین۔

اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

اذانِ سحری میں کہا جائے یا اذانِ فجر میں؟

استاذی المحترم حافظ عبد الرحمن صاحب مدنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پچھلے دِنوں ''صحیفہ اہل حدیث'' کراچی اور ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور میں صبح کی دو اذانوں کے متعلق مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ماہنامہ ''محدث'' لاہور نے بھی مولانا عبد القادر صاحب حصاری کا تعاقب تلخیص سے شائع کیا تھا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ''اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' دو اذانوں میں س پہلی اذان میں کہا جائے یا دوسری میں؟ نیز اگر ہو سکے تو اس مسئلہ کی بھی وضاحت کر دیں کہ پہلی اذان آپ ﷺ کے زمانہ میں کس غرض سے ہوتی تھی؟

امید ہے کہ مسئلہ کی عمومیت اور اہمیت کے پیش نظر اسے جلد ''محدث'' میں شائع فرمائیں گے۔ **بینوا توجروا**۔

حافظ عبد الخبیر اویسی حفید مولانا عبد التواب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

الجواب بعون الوھاب:

اس مسئلہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ''اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کا مقصد کیا ہے اور یہ مقصد دو اذانوں میں سے کس اذان سے حاصل ہوتا ہے؟ نیز دونوں اذانوں کا علیحدہ علیحدہ مقصد متعین کیا جائے۔'' چنانچہ میں اس مسئلہ پر بحث سے پہلے دوسری شق کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ''محدث'' برائے مارچ ۱۹۷۱ء میں اس دوسرے حصہ پر ایک جانب کے دلائل بھی شائع ہو چکے ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کی تنقید کر کے دلائل سے اس کی وضاحت کر دی جائے۔ لہٰذا میں پہلے دونوں اذانوں کے مقصد پر کچھ عرض کرتا ہوں:

صبح کی دو اذانیں تسلیم کرنے والوں میں دوسری اذان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں، دونوں اس پر متفق ہیں کہ دوسری اذان نماز کا وقت بتلانے اور سامعین کو نماز کے لئے بلانے کے لئے ہے لیکن پہلی اذان کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ سحری کھانے کے لئے ہے اور رمضان کے ساتھ مخصوص ہے یا وہ نماز فجر کی تیاری کے لئے ہے اور وہ سال بھر کے لئے مسنون ہے؟

فریق اول کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. وہ احادیث جن میں اذان کا ذکر سحری کھانے کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَذَّنَ بِلَالٌ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ، قَالَتْ: وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا يَنْزِلُ هٰذَا وَيَصْعَدُ هٰذَا (النسائی ۱: ۷۴)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بلالؓ اذان کہے تو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دے تو پھر رک جاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دونوں اذانوں کے درمیانی وقفہ کا اندازہ بیان فرمایا کہ ایک موذن اذان کہہ کر منبر سے اترتا تھا تو اس کے بعد دوسرا

موذن چڑھ جاتا تھا۔ اس حدیث میں الفاظ إِذَا أَذَّنَ بِلَالٌ سے ظاہر ہے کہ سحری اذان کے بعد کھانی چاہئے کیونکہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور جزا اس کی جملہ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا ہے جس کی غایت اذان ابن مکتومؓ میں بیان کی گئی ہے۔ الخ

2. وہ احادیث جن میں موذن کو سحری اور نماز پر امین کہا گیا ہے، مثلاً بیہقی میں ہے۔

عَنْ أَبِيْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ): أُمَنَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ وَسُحُوْرِهِمُ الْمُؤَذِّنُوْنَ'' (السنن الکبریٰ ۱: ۴۲۶)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے امین ان کی نماز اور سحری پر موذن لوگ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جیسے نماز کے وقت پر موذن مقرر ہوتا ہے اور وہ وقت ہونے پر اذان کہہ دیتا ہے ایسے ہی سحری پر موذن مقرر ہوتا ہے جو سحری ہونے پر اذان کہہ دیتا ہے۔ الخ

3. بطور تائید اقوالِ علماء اور بعض کتب احادیث کے ابواب مثلاً موطا میں امام مالکؒ نے یوں باب باندھا ہے: قَدْرُ السَّحُوْرِ مِنَ النِّدَاءِ (بامحاورہ ترجمہ از مولوی وحید الزمان) اذان کا سحری کے وقت ہونا۔ لفظی ترجمہ یہ ہے: سحری کی اذان کے وقت کا اندازہ۔ اسی طرح مسند احمد حسب تبویب الفتح الربانی میں لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ ۔ الحدیث پر یوں باب منعقد کیا گیا ہے۔: بَابُ وَقْتِ السُّحُوْرِ وَاسْتِحْبَابُ تَاخِيْرِه ۔ یعنی سحری کے وقت اور اس کو دیر کرکے کھانے پر استحباب کا بیان۔

فریق ثانی کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. فریق اول کی پیش کردہ احادیث میں لِلسُّحُوْرِ کا لفظ موجود نہیں۔ بعض احادیث میں صرف رات کے وقت اذان ہونے کا ذِکر ہے اور جن میں کھانے کا ذِکر ہے وہاں سحری کا لفظ ذکر نہیں۔ لہٰذا یہ اذان سحری کے لئے نہ ہوئی۔

2. جن احادیث میں موذنوں کے نماز اور سحری پر امین ہونے کا ذِکر ہے ان سے مراد اذان سے نماز کا وقت شروع ہونے اور سحری کا وقت ختم ہو جانے پر موذنوں کی امانت کا ذِکر ہے۔

3. کوفہ اور حجاز کے چند علماء کے علاوہ سب اس کے اذان فجر ہونے کے قائل ہیں اور چند علمائے احناف نے اسے سحری کی اذان کہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ دونوں اذانیں فجر کے لئے ہیں اس لئے دونوں کے درمیان چند منٹ کا فاصلہ ہے بقول حافظ ابن حجرؒ صبح کی نماز کو باقی نمازوں کے درمیان سے اذان اول وقت میں دینے کے ساتھ اس لئے مخصوص کیا گیا کہ اول وقت میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صبح غالباً نیند کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اس واسطے ایسے آدمی کا تقرر مناسب ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو وقت کے داخل ہونے سے پہلے آگاہ کرے تاکہ وہ تیار ہو جائیں اور اول وقت کی فضیلت کو پالیں۔ (فتح الباری ۲: ۸۳)

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک ''اذانِ سحری'' یا ''اذانِ فجر'' کے نام کا تعلق ہے، کسی حدیث میں للسحور یا للفجر کا لفظ موجود نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں اس اذان کے مقصد اور وقت کا ذِکر ہے۔ اس لئے جب فریقین بالاتفاق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اذان وقتِ فجر سے قبل رات میں یا سحری کے

وقت میں ہوتی تھی جو احادیث سے واضح ہے تو پھر اس کا نام سحری کی اذان یا فجر کی پہلی اذان دونوں طرح ٹھیک ہے جیسا کہ بعض ائمہ نے اس کا نام اذانِ سحور لیا ہے (محلی / ۲: ۸۵ طبع جدید، میں) امام ابن حزمؒ اذان ہذا کو صلوٰۃ الصبح کے لئے (قبل از وقت نماز) ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ لِاَنَّه اَذَانُ سُحُوْرٍ لَّا اَذَانٌ لِّلصَّلٰوۃِ ۔ یعنی یہ اذان سحری ہے وقتِ نماز کی اذان نہیں۔ ہاں پہلی اذان کے صحیح مقصد اور مسنون وقت کا فیصلہ ہونا چاہیے تاکہ سنت کے مطابق اس پر عمل کیا جا سکے۔ نبی ﷺ کا فرمان اس سلسلہ میں حسب ذیل ہے:

قَالَ: اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ لِّیُوْقِظَ نَائِمَکُمْ وَلِیُرْجِعَ قَائِمَکُمْ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا التِّرْمِذِیَّ ۔

آپ نے فرمایا: بلال رات (سحری کے وقت اذان دیتا ہے تاکہ سوئے ہوئے کو جائے اور قیام کرنے والے (تہجد پڑھنے والے) کو لوٹائے۔ معانی الآثار للطحاوی کی ایک روایت میں ہے لِیَرْجِعَ غَائِبَکُمْ (قضائے حاجت وغیرہ کے لئے جانے والے کو لوٹائے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اذان کا مقصد غفلت سے بیدار کر کے یا مختلف مصروفیتوں سے فارغ کر کے کسی اہم مطلوب کی تیاری ہے۔ اس مطلوب کے لئے حدیث میں نماز وغیرہ کا لفظ تو موجود نہیں لیکن دوسرے ایسے دلائل موجود ہیں جو یہ واضح کر رہے ہیں کہ اس اذان کا تعلق نماز سے ہے اور یہ اذان اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ نیند سے بیداری کے بعد تیاری کر کے نماز با جماعت اول وقت ادا کی جا سکے۔

الف۔ فریقین کے نزدیک یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ یہ اذان شرعی الفاظ کے ساتھ تھی۔ جس میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (نماز پر متوجہ ہو) کے الفاظ بھی ہیں، اس طرح کی اذان نماز ہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔

ب۔ حدیث ہذا میں اس اذان کے ذریعہ سے جن چیزوں سے فراغت مقصد بیان ہوا ہے ان کا تعلق اہمیت کے ساتھ نماز ہی سے ہے۔ ویسے تو فراغت کے بعد ہر کام ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ قضاء حاجت سے فراغت نماز کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح تہجد پڑھنے والا تھوڑی دیر سستا کر نماز کے لئے تازہ دم ہو جائے گا نیز اگر یہ اذان سحری کے لئے ہوتی تو ان چیزوں کا اتنی اہمیت کے ساتھ ذکر نہ ہوتا بلکہ سحری جو مقصود اصلی تھا وہی ذکر کر دیا جاتا۔ اسے چھوڑ کر ان چیزوں کے واسطہ کی کیا مجبوری تھی؟ لیکن حدیث میں ان چیزوں سے فراغت بطور مقصود اصلی ذکر ہوئی ہے جس کا مفہوم تیاری نماز ہی ہے جس کا وقت جلد ہی بعد میں ہو رہا ہے۔

پہلی اذان کے مقصد میں نماز کا صراحت کے ساتھ ذکر اس لئے نہ کیا کہ اس کے لئے دوسری اذان موجود ہے اور پہلی اذان صبح صادق سے قبل ہونے کی وجہ سے نماز کا وقت بتلانے کی غرض سے نہ ہو سکتی تھی اس لئے ایسی اشیاء کا ذکر کیا جن سے فراغت کا نماز کے اول وقت (جماعت کے ساتھ) ادا کرنے کا تعلق ہے۔ اس س حدیث میں پہلی اذان کے ساتھ اس کے صبح صادق سے قبل ہونے کی وجہ سے بھی بیان ہو گئی۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث میں بیان شدہ اشیاء بطور مقصود اصلی ذکر ہوئی ہیں۔ سحری مقصود اصلی نہیں ورنہ اس کا ذِکر ہوتا۔

ج۔ پہلی اذان نماز فجر کے وقت سے قریب ہی ہوتی تھی جیسا کہ احادیث میں اس کا وقت فجر کاذب آیا ہے اور صحابہؓ نے بھی دونوں اذانوں کا وقفہ قلیل بیان کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَهُمَا اِلَّا یَنْزِلُ هٰذَا وَیَصْعَدُ هٰذَا یعنی دونوں اذانوں کے درمیان اتنا وقفہ تھا کہ ایک موذن اذان کہہ کر اترتا تو دوسرا اذان کے لئے چڑھ جاتا۔ اگرچہ اس وقفے کا بیان یہاں مبالغۃً ہے لیکن اس مبالغے کا مقصد اذانوں

کے درمیانی وقفہ کا تھوڑا ہونا ہے۔ اس سے ملوم ہوتا ہے کہ پہلی اذان کا تعلق بھی فجر ہی کے ساتھ ہے۔

جن احادیث میں پہلی اذان کے ساتھ سحری کھانے کا ذکر ہے ان سے یہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس اذان کا مقصد ہی سحری ہے۔ ان احادیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ صحابہ کے سحری کھانے اور اذان کا وقت ایک تھا۔ حدیث کے الفاظ ''إِذَا أَذَّنَ بِلَالٌ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوا'' سے اگر سحری کے لئے اذان کا ہونا شرط قرار دے دیا جائے تو کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔ مثلاً لازم آئے گا کہ اگر اذان اول نہ ہو تو سحری کھانا ہی جائز نہ ہو کیونکہ ''إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ'' (جب شرط نہ رہے تو مشروط نہیں رہتا) یا اگر اذان کہی جائے تو سحری کھانا ضروری ہو جائے حالانکہ ان دونوں باتوں کا کوئی بھی قائل نہیں۔ در حقیقت سب احادیث کو اگر دیکھا جائے تو حاصل یہ ہوتا ہے کہ اذان شرعی سے بعض صحابہ کو تشویش لاحق ہونے کا خطرہ ہوا کیونکہ عام طور پر اذان نماز کا وقت شروع ہونے پر ہوتی ہے۔ اس تشویش کو دور کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس وقت سحری کھانے کی اجازت دی اور فرمایا لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَّلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ (الحدیث) یعنی تمہیں سحری سے اذان بلال اور صبح کاذب نہ روکے۔

علمائے سلف میں سے مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ وغیرہ اس کے اذان فجر ہونے کے قائل ہیں اور نماز کے لئے اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ صرف اہل الرائے اس کے سحری کے لئے ہونے کے قائل ہیں لیکن اسے اذان کی بجائے دوسرے الفاظ سے ''اعلان'' بتاتے ہیں جیسا کہ علامہ سروجیؒ نے تاویل کی ہے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ یہ پہلی اذان فجر کے وقت سے قبل تیاری فجر کے لئے ہے، جس کے بعد دوسری اذان صبح صادق کے وقت دی جائے گی۔ ابن حزمؒ اور اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔

محدثین نے کتب احادیث میں ان احادیث پر جو باب منعقد کئے ہیں ان کا یہ مقصد نہیں کہ وہ پہلی اذان کو سحری کے لئے سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مقصد پہلی اذان (اذانِ بلال) سے سحری کا وقت بتانا ہے کہ سحری کا وقت بلال کی اذان کی بجائے ابن ام مکتوم کی اذان تک ہے۔ جن متاخرین نے اس سے تاخیر سحری کا استحباب سمجھا ہے مثلاً مسند احمد کا باب ''بَابُ وَقْتِ السُّحُوْرِ وَاسْتِحْبَابُ تَاخِيْرِه'' وہ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ عموماً اس وقت سحری کھاتے تھے۔ علاوہ ازیں تاخیر سحری کا استحباب دیگر احادیث سے ثابت ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ اذان اول رمضان کے ساتھ خاص ہے یا سارا سال ہوتی تھی، سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس کے رمضان سے مختص ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اول تو احادیث سے اس کی عمومیت ثابت ہے۔ دوسرے صحابہ کرامؓ رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھا کرتے تھے۔ خواہ اس کا سحری کے لئے ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی رمضان کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ نہیں۔ خود اہل رائے جو اس کے فقط اعلان بالفاظ دیگر، سحری کے لئے ہونے کے قائل ہیں جب اس اذان شرعی کی عمومیت یا اسے رمضان کے علاوہ بھی احادیث میں پاتے ہیں تو اس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ صحابہ نفلی روزے سارا سال رکھا کرتے تھے اس لئے یہ سارا سال ہوتی تھی۔ چنانچہ علامہ عینیؒ نے اس کی یہی توجیہ پیش کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اذان تقریباً سارا سال ہی ہوتی تھی۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْر من النَّوْم پہلی اذان میں ہے یا دوسری میں؟

الصلوۃ خیر من النوم کے ترجمہ سے اس کا مقصد واضح ہے کہ یہ نماز کے لئے نیند سے جگانے کیلئے کہا جاتا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پہلی اذان صبح کی نماز کے اول وقت پڑھنے کے لئے صبح صادق سے پہلے کہی جاتی ہے تاکہ نیند سے اُٹھ کر ضروری جملہ اُمور سے فارغ ہو جائے اور پھر اذان ثانی کے سنتے ہی نماز کی طرف چلا آئے۔ اس مناسبت سے الصلوۃ خیر من النوم پہلی اذان میں ہے جس وقت وہ کہی جاتی ہو اور اگر ایک ہی اذان کہی جائے کیونکہ اسی سے یہ مقصد (نیند سے جگانا) بھی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

الصلوۃ خیر من النوم کا پہلی اذان میں ہونے کا ثبوت احادیث سے ملاحظہ فرمائیں:

(1) ابو داؤد مع عون المعبود (۱:۱۹۱) میں ہے:

''عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَحْوَ ھٰذَا الْخَبَرِ وَفِیْہِ الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِی الْاُوْلٰی مِنَ الصُّبْحِ۔''

''یعنی رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ صبح کی پہلی اذان میں ہے

(2) نسائی (۱:۷۴) میں ہے:

عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃ قَالَ ۔۔۔۔ قَالَ ۔۔۔۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِی الْاُوْلٰی مِنَ الصُّبْحِ۔

یعنی ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے اذان سکھائی جس طرح کہ تم آج کل دیتے ہو۔ پھر اذان کے کلمات کہتے ہوئے کہا۔ الصلوۃ خیر من النوم صبح کی پہلی اذان میں ہے۔ الحدیث نیز نسائی (۱:۷۵) میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃ قَالَ: کُنْتُ اُؤَذِّنُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ کُنْتُ اَقُوْلُ فِی اَذَانِ الْفَجْرِ الْاَوَّلِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ الحدیث

یعنی ابو محذورہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اذان کہتے تھے اور پہلی اذان فجر میں الصلوٰۃخیر من النوم کہا کرتے تھے۔ الحدیث

(3) دار قطنی (۱:۲۳۴) میں ہے:

عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃ قَالَ: ۔۔۔۔ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِی الْاُوْلٰی مِنَ الصُّبْحِ ۔ الحدیث۔

یعنی الصلوۃ خیر من النوم صبح کی پہلی اذان میں ہے:

نیز دار قطنی (۱:۲۳۵) میں ہے:

فَاِذَا اَذَّنْتَ بِالْاُوْلٰی مِنَ الصُّبْحِ فَقُلْ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَیْنِ ۔ الحدیث

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب تو صبح کی پہلی اذان دے تو دو مرتبہ الصلوۃ خیر من النوم کہہ۔(اس حدیث میں فعل کی بجائے امر موجود ہے)۔

فی الحال ان پانچ احادیث پر اکتفاء کرتا ہوں اور بطور تائید علامہ امیر الصنعانی کی سبل السلام شرح بلوغ المرام سے بحث نقل کرتا ہوں تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت ہو جائے۔

سبل السلام(۱:۱۲۰)میں ہے:

ترجمہ:نسائی کی روایت میں ہے۔"الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِفِی الْاَذَانِ الْاَوَّلِ مِنَ الصُّبْحِ ۔"یعنی الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ صبح کی پہلی اذان میں ہے۔اس حدیث سے صبح کی مطلق اذانیں(جن میں اس کلمہ کا کہنا آیا ہے)مقید ہو گئی ہیں کہ مراد پہلی اذان فجر ہے۔ابن ارسلانؒ کہتے ہیں:اس روایت کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔صاحب البدر التمام علامہ مغربی فرماتے ہیں:تثویب(الصلوۃ خیر من النوم)فجر کی پہلی اذان میں ہے کیونکہ وہ سونے والے کو جگانے کے لئے ہے اور اذان ثانی نماز کے وقت ہونے کا اعلان اور نماز کی طرف بلانے کے لئے۔نسائی کے لفظ اس کی سنن کبریٰ میں ابو جعفر کے طریق سے یوں ہیں:کُنْتُ اُوَذِّنُ ل،رَسُوْلِ اللہِ ﷺ،فَکُنْتُ اَقُوْلُ فِے اَذَانِ الْفَجْرِ الْاَوَّلِ حَیَّ علی الصَّلٰوۃِ،حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ،الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ،الصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں:اس حدیث کی سند صحیح ہے(ماخوذ من تخریج الزرکشی لاحادیث الرافعی)

اسی کی مانند السنن الکبریٰ للبیہقی میں ابی محذورہ سے حدیث ہے۔اِنَّه کَانَ یُثَوِّبُ فِي الْاَذَانِ الْاَوَّلِ مِنَ الصُّبْحِ بِاَمْرِهٖ ﷺ یعنی ابو محذورہ صبح کی پہلی اذان میں نبی ﷺ کے حکم سے تثویب کہتے تھے۔

واضح رہے کہ سبل السلام کی یہ عبارت کہ اس سے مطلق احادیث صبح مقید ہو گئی ہیں۔اور اذانِ صبح کا مطلب اذان اول ہے ابو محدوزہ کی احادیث کے متعلق صحیح ہے۔جن میں سے بعض میں صرف اذانِ فجر کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں اذان فجر اول کا ذِکر ہے اس لئے مطلق احادیث ابی محذورہ مقید احادیث پر محمول ہوں گی۔باقی وہ احادیث جن میں اس کلمہ کا اذانِ فجر میں کہنا آیا ہے یہ اس صورت میں ہے جب صرف صبح کی ایک اذان کہی گئی ہو۔هذا ما عندی واللہ اعلم۔

رمضان المبارک کے احکام و مسائل

حضرت مولانا حافظ محمد اسمٰعیل روپڑیؒ — بہ ترتیب جدید و تخریج از حافظ ثناء اللہ فاضل مدنی

احباب کے زیر مطالعہ مجلہ ''محدث'' شیخ التفسیر حافظ محمد حسین صاحب روپڑی، شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی اور خطیب ملت حافظ محمد اسماعیل صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے باقیات صالحات سے ہے۔ اس لئے رمضان المبارک کے احکام و مسائل میں ہم خطیب ملت حضرت مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب روپڑی کا یادگار مضمون ہدیہ قارئین کر رہے ہیں تا کہ احباب رمضان المبارک میں مرحومین کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ حافظ ثناء اللہ صاحب (اللیسانس) اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ نے نہایت احسن انداز میں مضمون ہذا کی نئی ترتیب اور مکمل تخریج کی ہے اور بعض جگہ وضاحت بھی فرمائی ہے۔ یہ تعلیق حاشیہ میں رکھی گئی ہے۔ تعلیق ہذا سے مضمون کی افادیت عوام اور علماء کے لئے یکساں ہو گئی ہے۔ نیز صاحبِ ذوق حضرات مکمل دلائل کا مطالعہ اصل کتب میں کر سکیں گے۔ مجلہ ''محدث'' وقت اور موقعہ کی مناسبت سے مرحومین کے جواہر پارے ہدیہ قارئین کرتا رہے گا تا کہ ان کا فیض جاری رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (ادارہ)

تعظیمی روزہ:

آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

لَا يَتَقَدَّ مَنَّ اَحَدُ كُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ

''تم میں سے کوئی شخص رمضان سے پہلے ایک دن یا دو دن روزہ نہ رکھے مگر جو شخص کسی دن کا روزہ عموماً رکھتا ہو اور وہ دن رمضان سے پہلے واقع ہو جائے تو اس دن کا روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔''

مشکوک دن کا روزہ:

سرور کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: غبار یا بادل ہو تو مشکوک دن کا روزہ نہ رکھو بلکہ شعبان کے ۳۰ روز پورے کرو۔

رویت ہلال:

رمضان المبارک کے چاند کے لئے ایک اور عید کے لئے دو مسلمان متبع شریعت کی شہادت ہونی چاہئے۔

رویت ہلال کی دُعا:

نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نیا چاند دیکھ کر یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّه عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ يَا هِلَالُ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللهُ۔

روزہ کی نیت:

روزہ عبادت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے قبل فجر نیت رمضان نہ کی اس کا روزہ نہیں۔

زبانی نیت بدعت ہے:

نیت دل کا فعل ہے۔زبانی نیت بدعت ہے۔ آج کل جو الفاظ **بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ** وغیرہ مروج ہیں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

سحری کا وقت:

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں، نبی ﷺ کی سحری اور نماز (اذان) میں پچاس آیات پڑھنے کا وقفہ ہوتا تھا۔

سحری:

سحری کھانا سنت اور باعث برکت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةٌ۔ سحری ضرور کھاؤ۔اس میں برکت ہے۔

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(الف) بھول کر کھانا پینا۔ (ب) دن کے کسی حصہ میں تر یا خشک مسواک کرنا۔

(ج) خوشبو اور سرمہ لگانا۔ (د) سر اور بدن پر تیل ملنا

(ہ) آنکھ ناک یا کان میں دوائی ڈالنا، پچھنے لگوانا، بشر طیکہ کمزوری کا ڈر نہ ہو۔

(و) ہنڈیا کا نمک چکھ کر فوراً تھوک دینا۔ (ز) روزہ رکھ کر صبح صادق کے بعد غسل جنابت کرنا۔

(ح) احتلام ہونا (ط) قے آنا

(ی) گرد وغبار، مکھی، مچھر کا حلق میں اتر جانا، تالاب وغیرہ میں غوطہ لگانا جس سے پانی ناک یا حلق کے ذریعے اندر نہ جائے۔

(ک) ناک میں بغیر مبالغہ پانی ڈالنا۔ (ل) مسوڑھے کے خون یا کلی کے بعد پانی کی تری کا یا دانت میں غیر محسوس ریزوں کا تھوک کے ساتھ اندر چلے جانا۔

(م) بیوی کا بوسہ لینا، یا محض ہمکنار ہونا مگر جوان کو اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے۔

کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے:

(الف) دانستہ کھانا (ب) جماع کرنا (ج) خود قے کرنا

(د) نسوار لینا (ھ) حقہ سگریٹ پینا (و) ناک میں پانی یا دوائی مبالغہ سے چڑھانا، جس سے پانی حلق کے نیچے اتر جائے

(د) چغلی، غیبت کرنا (اس سے مراد تحذیر ہے)

حدیث میں ہے:

"جو شخص جھوٹ اور اس پر عمل ترک نہ کرے اس کے روزہ کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔"

کفارہ:

بلا عذر شرعی روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ یہ طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو (بیک وقت) کھانا کھلائے۔

افطاری میں جلدی:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ- جب تک لوگ افطاری میں جلدی کریں بھلائی میں رہیں گے۔

افطاری کس چیز سے مسنون ہے:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ نمازِ مغرب سے قبل تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے۔ تر نہ ہوتیں تو خشک سے۔ یہ بھی میسر نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے۔

دعا بوقت افطار:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

"اے اللہ! میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے سے افطار کیا۔"

مریض، مسافر:

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر بعد اختتامِ سفر اور مرض قضائی دینی ہو گی۔

شیخ فانی:

اگر کسی مرد اور عورت پر ایسا بڑھاپا آ گیا ہے کہ اب طاقتور اور تندرست ہونے کی توقع نہیں تو وہ روزہ نہ رکھیں۔ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔

حاملہ اور مرضعہ

(الف)حاملہ اور مرضعہ کو اگر خوف ہو کہ روزہ سے بچہ کو نقصان پہنچے گا تو اس کو بھی روزہ نہ رکھنے کی رُخصت ہے۔

(ب)روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور ممکن ہو تو بعد میں قضائی بھی دے۔

نمازِ تراویح:

آٹھ رکعت سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت (آٹھ تراویح تین وتر) سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم فرمایا کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔

(الف)علامہ عینیؒ حنفی فرماتے ہیں: اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً وَّھُوَ اخْتِیَارُ مَالِکٍ لِّنَفْسِہ ۔

”کہا جاتا ہے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے۔ امام مالکؒ نے اپنے لئے اسی کو پسند فرمایا۔“

(ب)علامہ جلال الدینؒ سیوطی لکھتے ہیں:

عَنْ مَالِکٍ اَنَّہ قَالَ الَّذِیْ جَمَعَ عَلَیْہِ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَحَبُّ اِلَیَّ وَھُوَ اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً ۔

”امام مالکؒ نے فرمایا، نمازِ راویح کی وہ عداد جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا وہ مجھے زیادہ محبوب ہے، اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔

اسی بنا پر حنفی مذہب کے مسلمہ بزرگ ملا علی قاریؒ حنفی فرماتے ہیں: فَاِنَّہ صَلّٰی بِھِمْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ وَّالْوِتْرَ (موقات جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔ ”نبی ﷺ نے صحابہؓ کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے۔“

مولانا انور شاہؒ دیوبندی حضت عائشہ صدیقہؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فِیْہِ تَصْرِیْحٌ اَنَّہ حَالُ رَمَضَانَ فَاِنَّ السَّائِلَ سَأَلَ عَنْ حَالِ رَمَضَانَ وَغَیْرِہ کَمَا نَدَ التِّرْمِذِیّ وَمُسْلِمٍ وَّلَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِیْمِ اَنَّ تَرَاوِیْحَہ عَلَیْہِ الصَّلَامُ کَانَتْ ثَمَانِیَۃَ رَکَعَاتٍ وَلَمْ یَثْبُتْ فِیْ رِوَایَۃٍ مِّنَ الرِّوَایَاتِ اَنّ التَّرَاوِیْحَ وَالتَّھَجُّدَ عَلیحِدَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ ۔

یعنی اِس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ رمضان کے بارے میں ہے۔ کیونکہ سائل نے (حضرت عائشہؓ سے) رمضان، غیر رمضان دونوں حال کا سوال کیا تھا اور ہمارے لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں کہ نبی ﷺ کی نمازِ تراویح آٹھ رکعت تھیں اور یہ بھی کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا کہ نبی ﷺ نے رمضان شریف میں تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ پڑھی ہوں۔“

نمازِ وتر:

نمازِ وتر کی عداد ایک سے نو تک ہے۔ پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔

۱۔ ہر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھے۔

۲۔ تین وتر کے دو طریقے ہیں

(الف) دو دو رکعت پڑھ کر ساتویں رکعت پڑھے۔

(ب) سات اکٹھے، تو درمیان میں تشہد نہ پڑھے۔

۳۔ پانچ وتر ایک سلام سے پڑھے۔ درمیان میں تشہد کے لئے بیٹھنا منع ہے۔

۴۔ نو کا صرف ایک طریقہ ہے کہ، آٹھویں رکعت پر التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے، سلام نہ پھیرے نویں رکعت پر التحیات پڑھ کر سلام پھیرے۔

دُعائے قنوت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجھے نبی ﷺ نے وتروں میں پڑھنے کے لئے یہ دُعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وعَافِنَا فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّہ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ بَارَكْتَ رَبَّنَا وتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَیْكَ وَصَلَّى اللہُ عَلَى النَّبِیِّ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۲۱۰)

دعائے قنوت کا محل:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے مجھے نماز وتر میں جب کہ میں رکوع سے سر اُٹھاؤں اور صرف سجدہ باقی رہ جائے یہ دعا سکھائی کہ میں پڑھوں۔" اَللّٰھُم اھْدِنِیْ-الحدیث

مختصر میں ذہبی نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور یہ جس حدیث پر مختصر میں سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔

پس نماز وتر میں دعائے قنوت کے متعلق بعد از رکوع کی تصریح حدیث میں آگئی ہے اس لئے وتروں میں اس حکم پر عمل کرنا چاہئے۔

دعائے قنوت میں مقتدیوں کا آمین کہنا:

دُعائے قنوت میں مقتدیوں کا آمین کہنا صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ (ملاحظہ ہو قیام مروزی وعون المعبود وغیرہ)

پس ہاتھ اُٹھانے اور نہ اُٹھانے میں اختیار ہے اور مقتدیوں کا دعائے قنوت میں آمین کہنا ابو داؤد میں موجود ہے مگر یہ عام دعائے قنوت کے متعلق ہے۔ وتروں کی خصوصیت نہیں۔ وتر بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وتروں کی دعا بھی دعائے قنوت ہے۔

اعتکاف:

(الف) عبادتِ الٰہی کی نیت سے اپنے کو مسجد میں بند کرنا اعتکاف ہے۔

(ب) اور یہ سنت موکدہ ہے۔

(ج) نبی اکرم ﷺ ہر سال ماہ رمضان المبارک میں دس روز اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ آخری سال آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

اعتکاف کرنے والا چونکہ قربِ الٰہی کی طلب میں اپنے آپ کو عبادت کے لئے وقف کر دیتا ہے اور دنیا کے تمام مشاغل سے علیحدہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ تلاوتِ قرآن مجید اور ذِکرِ الٰہی میں جس قدر وقت صرف کرے اور دوسری باتوں سے بچے اسی قدر افضل ہے۔

کن اُمور سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا:

(الف) مسجد گرنے یا زبردستی مسجد سے نکال دیئے جانے یا جان ومال کے خوف سے مسجد سے نکل جانے پر بشر طیکہ فوراً کسی دوسری مسجد میں چلا جائے ان صورتوں میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

(ب) علاوہ ازیں مسجد میں سونا

(ج) کھانا پینا

(د) کسی کو خرید و فروخت وغیرہ امور کی ہدایت کرنا۔

(ھ) خوشبو استعمال کرنا، سر میں تیل لگانا۔

(و) کئی دوسرا شخص کھانا لانے والا نہ ہو تو گھر جا کر کھانا کھا سکتا ہے۔

(ز) پاخانہ پیشاب کے لئے باہر جا سکتا ہے۔

(ح) غسل جنابت کے لئے مسجد سے باہر جانا اور نکاح کرنا۔ یہ سب امور جائز ہیں ان سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

مدتِ اعتکاف:

(الف) ایک دِن رات یا اس سے زیادہ جتنا چاہے اعتکاف کر سکتا ہے مگر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت نبوی ﷺ ہے۔ جو شخص پورے آخری دھاکے کا اعتکاف کرنا چاہتا ہو وہ رمضان المبارک کی بیس تاریخ غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے رات وہیں گزارے۔

(ب) اکیسویں کی صبح کو فجر کی نماز پڑھ کر اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے۔

(ج) اعتکاف مرد، عورت، بالغ نابالغ سب کر سکتے ہیں البتہ عورت کے لئے خاوند کی اجازت شرط ہے۔

(د) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اعتکاف جامع مسجد (جہاں جمعہ ہوتا ہو) میں بیٹھنا چاہیئے۔

(ھ) عورت بھی مسجد میں اعتکاف کر سکتی ہے چنانچہ ازواجات مطہرات مسجد نبوی میں اعتکاف کرتی تھیں۔

لیلۃ القدر:

یہ وہی مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ یہ وہی رات ہے جس کی شان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۔

اسی ایک رات کا قیام ایک ہزار ماہ (یعنی ۸۳ سال اور چار ماہ) کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ وہی رات ہے جس میں جبریل علیہ السلام دیگر ملائکہ سمیت زمین پر تشریف لاتے اور ذکرِ الٰہی کی مجالس میں شریک ہوت ہیں اور ذِکر الٰہی کرنے والوں کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔

یہ وہی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلائے عام ہوتی ہے کہ اے گنہگارو اُٹھو، بخشش طلب کرو، میری رحمت تمہارے گناہ بخشنے کے لئے منتظر ہے۔ بھوکے مرنے والو، در در کی ٹھوکریں کھانے والو اُٹھو اور مانگو۔

آج میرے فضل و کرم کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اے مصیبت کے مارو، آؤ! میری پناہ میں آؤ کہ میں تمہارے سارے اور تمہاری سب پریشانیاں دور کرنے پر آمادہ ہوں۔

یہ صدا صبح صادق کے طلوع ہونے تک بدستور جاری رہتی ہے۔ لیلۃ القدر کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا کہ وہ کون سی رات میں ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تَحَرَّوۡا الۡلَيۡلَةَ الۡقَدۡرِ فِيۡ الۡوِتۡرِ مِنَ الۡعَشۡرِ الۡاَوَاخِرِ مِنۡ رَّمَضَانَ (بخاری)

"لیلۃ القدر کو آخری دھاکہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

۲۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے لیلۃ القدر کو اکیسویں رات میں پایا۔

بہر کیف اس رات کی تعیین نہیں کی گئی۔ البتہ اکیسویں، تیئیسویں اور ستائیسویں کو ترجیح دی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں کو بالخصوص عبادت سے زندہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لیلۃ القدر کی دعا:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میں لیلۃ القدر معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو کیا پڑھوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الۡعَفۡوَ فَاعۡفُ عَنِّيۡ (مشکوٰۃ)

وجہ تسمیہ:

اس میں مختلف اقوال میں چند مشہور اقوال کا ذِکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ چونکہ اس میں ارزاق وغیرہ کا اندازہ کیا جاتا ہے اس لئے اسی کو لیلۃ القدر سے موسوم کیا گیا۔ اِس قول کے مطابق اس کے معنی اندازہ کے ہوں گے۔

۲۔ سَمّي بِهَا لِعَظْمِ قَدْرِهَا وَشَرَفِهَا یعنی اس کی بزرگی عظمت و شان کے لئے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ ''لیلہ'' موصوف ''القدر'' صفت یعنی اضافت موصوف بطرف صفت اس لحاظ سے معنی بزرگ کے ہوں گے۔

۳۔ ہر وہ شخص جو اس رات میں عبادت کرے صاحب قدر ہو جاتا ہے اس لئے اس کو لیلۃ القدر الشرف کہا جاتا ہے۔

وجہ فضیلت اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر شے اپنے اسباب و علل کے ساتھ مقصود ہے تو اس مبارک رات کی فضیلت اور بزرگی کی علت و سبب کیا ہے؟

اس کا جواب خود بخود احکم الحاکمین کے ارشاد اِنَّآ اَنْزَلْنٰاہ سے مَطْلَعِ الْفَجْرِ تک ملاحظہ ہو کہ اس رات میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا۔ اس رات عبادت ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس رات میں ملائکہ اور روح القدس نازل ہوتے ہیں۔ نیز حدیث میں ہے کہ اس رات جبرائیل ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ اُتر کر مسلمانوں پر نزول رحمت کا باعث ہوتے ہیں، جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

بعض علما کے نزدیک اس ماہ کی بزرگی کے اسباب میں یہ بھی داخل ہے کہ اس رات تمام انتظاماتِ عالم کا فیصلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ یعنی اس رات تمام امور الٰہی کی تقسیم ہوتی ہے اور مقررہ عہدہ داروں کے ذمہ ان کے فرائض سونپ دیئے جاتے ہیں۔

رکعات تراویح میں سنت نبوی ﷺ اور تعاملِ صحابہ

حافظ ثناء اللہ مدنی

ترتیب و اضافہ: ادارہ

مسئلہ:

رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کتنی رکعت سنت نبوی ہیں؟ اور بیس تراویح کی کیا حقیقت ہے؟ اور کیا حضرت عمرؓ بن خطاب یا کسی دیگر صحابی سے بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے؟ بعض لوگ حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیت رکعت کا حکم دیا تھا یا ان کے زمانے میں پڑھی گئی ہیں۔ براہِ کرم وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔ (محمد شعیب پاکپتن)

الجواب بعون الملک العزیز الوہاب:

نمازِ تراویح آٹھ رکعت سنت نبوی ہیں۔

حدیث:

(۱) صحیحین میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے۔ اِنَّه سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ ؟ قَالَتْ مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً ۔ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ:قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ: یَا عَائِشَةُ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ ۔

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے ام المومنین عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ (ﷺ) کی رمضان المبارک میں نماز کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا۔ آپ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ (ﷺ) کا معمول رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ تھا۔ چار رکعت خوب اچھی طرح (خشوع خضوع سے) اور لمبی پڑھتے پھر چار رکعت خوب اچھی طرح اور لمبی پڑھتے پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں۔ میں نے کہا یارسول اللہ (ﷺ) کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دِل جاگتا ہے۔

اس حدیث کو امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنی جامع میں تین مقامات پر لائے ہیں۔

کتاب التہجد۔ کتاب صلوۃ التراویح۔ کتاب المناقب۔

مقصود اس سے مختلف مسائل کا استنباط و استخراج ہے جیسا کہ بخاری کی عادت ہے۔ حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) فتح الباری جز ۳ صفحہ ۳۳ مذکورہ حدیث کے تحت یوں رقم طراز ہیں: فِی الْحَدِیْثِ وَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ صَلَاتَه (ﷺ) کَانَتْ مُتَسَاوِیَةً فِیْ جَمِیْعِ السَّنَةِ یعنی اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی (رات کی) نماز سارا سال برابر تھی۔

فضیلۃ الشیخ علامہ ابو الحسن عبید اللہ بن علامہ محمد عبد السلام مبارک پوری حفظہ اللہ تعالیٰ فی الدارین اپنی محققانہ تالیف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: فَهٰذَا الْحَدِيْثُ نَصٌّ فِيْ اَنَّه (ﷺ) اِنَّمَا صَلّٰى التَّرَاوِيْحَ فِيْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فَقَطْ لَمْ يُصَلِّ بِاَكْثَرَ مِنْهَا ۔ یعنی یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ نبی (ﷺ) نے رمضان میں صرف آٹھ رکعت ہی پڑھی ہیں اس سے زیادہ نہیں پڑھیں۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ حنفی عرف الشذی صفحہ ۳۰۹ میں فرماتے ہیں: فِيْهِ تَصْرِيْحٌ اَنَّه حَالُ رَمَضَانَ فَاِنَّ سَالَ سَالَ عَنْ حَالِ رَمَضَانَ وَغَيْرِه كَمَا عِنْدَ التِّرْمِذِي، وَمُسْلِمٍ لَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ اَنَّ تَرَاوِيْحَه عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ لَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِّنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّه عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ فِيْ رَمَضَانَ بَلْ طَوَّلَ التَّرَاوِيْحَ، وَبَيْنَ التَّرَاوِيْحِ وَالتَّهَجُّدِ فِيْ عَهْدِه عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ فَرْقٌ فِي الرَّكَعَاتِ ۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ (گیارہ رکعات) بحالت رمضان ہیں کیونکہ سائل کا سوال رمضان و غیر رمضان سے ہے جیسا کہ ترمذی اور مسلم میں ہے، اور یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ نبی (ﷺ) کی نمازِ تراویح آٹھ رکعات تھیں اور روایتوں میں سے کسی روایت میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے رمضان میں تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھی ہوں بلکہ آپ نے تراویح ہی کو لمبا کیا اور آنحضرت (ﷺ) کے عہد مبارک میں تراویح اور تہجد کی رکعات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

گیارہ رکعات کی حکمت:

رکعات تراویح میں گیارہ رکعات کی حکمت یہ ہے کہ تہجد (تراویح) اور وتر رات کی نماز ہیں جس طرح ظہر، عصر اور مغرب دن کی نماز ہیں، جب دن کی نماز ظہر ۴، عصر ۴ اور مغرب ۳ کل گیارہ رکعات فرض ہیں۔ رات کی نماز بھی عدد میں (گیارہ رکعات) ان کے برابر مناسب ہے اور اگر فجر کے دو فرض بھی دن کی نمازوں میں شامل کر لیے جائیں تو تیرہ رکعات کی حکمت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ عائشہؓ کی یہ روایت ان کی ایک دوسری روایت کے خلاف ہے جو یوں ہے اِنَّه كَانَ (ص) اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ يَجْتَهِدُ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِه ۔ رمضان المبارک کا جب آخری دھاکا آتا تو آنحضرت (ﷺ) عبادت میں اتنی محنت کرتے جو اس سے دوسرے دنوں میں نہ ہوتی۔

یعنی آپ ﷺ نفل نوافل بہت پڑھتے تھے۔

اس کے جواب میں صاحب مرعاۃ المفاتیح مولانا رحمانی فرماتے ہیں۔

قُلْتُ: اَلْمُرَادُ بِالْاِجْتِهَادِ تَطْوِيْلُ الرَّكَعَاتِ لَا الزِّيَادَةُ فِي الْعَدَدِ۔ یعنی محنت سے مراد رکعات کا لمبا کرنا ہے نہ کہ عدد میں زیادتی۔

اور علامہ عینیؒ حنفی فرماتے ہیں:

اِنَّ الزِّيَادَةَ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ يُحْمَلُ عَلَى التَّطْوِيْلِ دُوْنَ الزِّيَادَةِ فِي الْعَدَدِ آخری عشرہ میں زیادتی (محنت) کو رکعات کے لمبا

کرنے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ زیادتی عدد پر۔

حدیث (۲) معجم الصغیر اور قیام اللیل مروزی میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ (ﷺ) نے ماہِ رمضان میں ہمیں آٹھ رکعت تراویح پڑھائیں۔

امام ذہبی اس حدیث کو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ میں عیسیٰ بن جاریہ مدنی راوی حدیث کے ترجمہ (بیان احوال) میں ذکر فرماتے ہیں: اسنادہ وسط یعنی اس حدیث کی سند درمیانہ درجہ کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کو بیان کر کے اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی۔ گویا مقدمہ فتح الباری (ہدی الساری) میں ذکر کردہ شرط کی بناء پر حافظ صاحب کے نزدیک اس کی سند صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

ایسے ہی حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر تلخیص الجیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (فقہ شافعی) میں سکوت کیا ہے۔

اور علامہ عینی حنفی بھی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کو لائے ہیں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ہاں البتہ مولوی شوق نیموی نے آثار السنن میں امام ذہبی کے کلام پر تنقید کی ہے چنانچہ لکھا ہے۔ اس حدیث کا مدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہے۔ اس میں ابن معین، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے جرح کی ہے اس بناء پر اس کی اسناد لین (کمزور) ہے لہٰذا دلیل کے قابل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں اَلذَّهَبِيُّ مِنْ اَلِ اسْتِقْرَاءِ التَّامِّ فِيْ نَقْدِ الرِّجَالِ امام ذہبی رواۃ کی جرح و تعدیل میں اہل استقراء تام سے ہیں۔ بحر العلوم صفحہ ۴۴۱ طبع نول کشور شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ حنفی) میں ذہبی کے متعلق ذکر ہے: هُوَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِقْرَاءِ التَّامِّ فِيْ نَقْلِ حَالِ الرِّجَالِ یعنی اس کا (ذہبی کا) استقراء اسماء الرجال میں بہت کامل ہے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی جز۳ ص ۵۲۵ (طبع جدید مصری) میں فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا حَكَمَ الذَّهَبِيُّ بِأَنَّ إِسْنَادَه وَسَطٌ بَعْدَ ذِكْرِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ فِيْ عِيْسٰى بْنِ جَارِيَةَ وَ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِقْرَاءِ التَّامِّ فِيْ نَقْدِ الرِّجَالِ فَحُكْمُهٗ بِأَنَّ إِسْنَادَه وَسَطٌ وَهُوَ الصَّوَابُ وَيُؤَيِّدُه إِخْرَاجُ ابْنِ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِيْ صَحِيْحَيْهِمَا فَلَا يُلْتَفَتُ اِلٰى مَا قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَيَشْهَدُ لِحَدِيْثِ جَابِرٍ هٰذَا حَدِيْثُ عَائِشَةَ الْمَذْكُوْرُ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِه عَلٰى إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً

جب امام مذہبیؒ نے عیسیٰ بن جاریہ میں جرح و تعدیل کے بعد اس حدیث کی سند پر وسط (درمیانہ درجہ) کا حکم لگایا ہے۔ وہی صحیح ہے کیونکہ ذہبی نقد رجال میں اہل استقراء تام سے ہیں اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ پس نیموی کا قول قابل التفات نہیں ہے۔ نیز حضرت جابر کی اس حدیث کی مؤید (شاہد) حضرت عائشہ کی حدیث ہے یعنی رسول اللہ (ﷺ) کا معمول رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں تھا۔

حدیث(۳): تحفۃ الاحوذی میں بحوالہ ابویعلی جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے۔

جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلٰى رَسُولِ اللهِ (ﷺ) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ (ﷺ) إِنَّه كَانَ مِنِّيَ اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ قَالَ: وَمَا ذَاكَ يَا أُبَيُّ، قَالَ: نِسْوَةٌ فِي دَارِي قُلْنَ: إِنَّا لَا نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّي بِصَلَاتِكَ قَالَ: فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا:

قَالَ الْهَيْثَمِيُّ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ: إِسْنَادُه حَسَنٌ۔

ابی بن کعب رسول اللہ (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) رمضان میں آج رات مجھ سے ایک (عجیب) کام ہوا، آپ نے فرمایا وہ کیا؟ عرض کی ہمارے گھر میں عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں اس لئے ہم تیرے ساتھ نماز پڑھیں گی۔ پس میں نے انہیں آٹھ رکعات (تراویح) پڑھائیں اور وتر پڑھے۔ پس راوی کا بیان ہے کہ یہ طریقہ پسند کیا گیا اور آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

مندرجہ بالا تین احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز تراویح آٹھ رکعت ہی سنت ہے۔

بیس تراویح کی حقیقت:

بیس تراویح رسول اللہ (ﷺ) یا کسی صحابی مثلاً عمر بن خطابؓ وغیرہ سے ثابت نہیں اس سلسلہ میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں اس کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

اس سلسلہ میں سنن کبریٰ بیہقی کی ایک روایت عبد اللہ بن عباس سے مرفوعا بیان کی جاتی ہے جو یہ ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ (ﷺ) كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ۔

نبی (ﷺ) کا معمول رمضان میں بیس رکعات وتر کے سوا تھا۔ اس پر صاحب مرعاۃ المفاتیح لکھتے ہیں فَهُوَ ضَعِيْفٌ جِدًّا لَّا يَصْلُحُ لِلْاِسْتِدْلَالِ ولا للاستشْهَادِ وَلَا لِلْاِعْتِبَارِ فَإِنَّ مَدَارَه عَلٰى أَبِيْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ كَمَا فِي التَّقْرِيْبِ۔

یعنی عبد اللہ بن عباس کی حدیث سخت ضعیف ہے جو نہ تو دلیل بنانے کے قابل ہے اور نہ ہی تائید و تقویت کے قابل ہے کیونکہ اس کا مدار ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان (دادا امام ابن ابی شیبہ) پر ہے اور وہ متروک الحدیث ہے جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے۔

اور علامہ زیلعی حنفی اسی حدیث کے متعلق نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ میں فرماتے ہیں: هُوَ مَعْلُوْلٌ بِأَبِيْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِه وَلَيَّنَه ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ ثُمَّ إِنَّه مُخَالِفٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّه سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) فِي رَمَضَانَ ؟ قَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِه عَلٰى إِحْدٰى

عَشَرَ ةَ رَكْعَةً الْحَدِيْث

عبداللہ بن عباس کی حدیث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے سبب سے ضعیف ہے۔ جس (ابی شیبہ) کے ضعف پر اتفاق ہے اور ابن عدی نے کامل میں اسے لین (کمزور) کہاہے۔ پھر یہ روایت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کی صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں انہوں نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے سوال کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) کی رمضان کی نماز کیسی تھی؟ فرمایا: آپ کا معمول رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ تھا۔

اور ابن الہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایۃ میں اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں هُوَ ضَعِيفٌ بِأَبِي شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُثْمَانَ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِه مَعَ مُخَالَفَتِه لِلصَّحِيْح

یہ روایت ابوشیبہ ابرہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے جس کے ضعف پر علماء کا اتفاق ہے جب کہ وہ صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔

اور علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: اَبُوْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ عُثْمَانَ عَبْسِيٌّ كُوْفِيٌّ قَاضِيَ وَاسِطَ جَدُّ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ كَذَّبَه شُعْبَةُ وَضَعَّفَه حَمْدُ فِيْ مَنَا كِيْرِه انْتَهٰى

امام شعبہ نے ابراہیم بن عثمان کو کذاب کہاہے اور امام احمد، ابن معین، بخاری اور نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف کہاہے اور اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں ابراہیم بن عثمان کی منکر احادیث میں شامل کیاہے۔ اور امام بیہقی فرماتے ہیں۔

تَفَرَّدَ بِه اَبُوْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُثْمَانَ الْعَيسِيُّ الْكُوْفِيُّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ اس حدیث میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

فتح الباری جز ۴ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا مَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ فَإِسْنَادُه ضَعِيْفٌ

وَقَدْ عَارَضَه حَدِيْثُ عَائِشَةَ هٰذَا الَّذِىْ فى الصَّحِيْحَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا اَعْلَمَ بِحَالِ النَّبِيِّ (ﷺ) لَيْلًا مِّنْ غَيْرِهَا

ابن ابی شیبہ نے (مصنف میں) ابن عباس سے جو روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ نیز حضرت عائشہ (رضی اللہ عنھا) کی صحیحین والی حدیث اس کے خلاف ہے۔ حالانکہ عائشہؓ نبی (ﷺ) کے رات احوال سے دوسروں کی نسبت زیادہ باخبر ہیں۔

اور حضرت الشیخ علامہ ناصر الدین البانی محدث شام اپنی تالیف صلوٰۃ التراویح میں فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کے مصادر کا تتبع کیا۔ جمیع طرق میں ابراہیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس مرفوعاہے۔

امام طبرانی فرماتے ہیں:

یہ روایت حضرت ابن عباس سے صرف اسی اسناد سے منقول ہے۔

اور حافظ نورالدین ہیثمی کا قول ہے۔

انه ضعيف-

عبد اللہؓ بن عباس کی حدیث ضعیف ہے۔

اور علامہ البانی فرماتے ہیں:

وَالْحَقِيْقَةُ اَنَّه ضَعِيْفٌ جِدًّا كَمَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ قَوْلُ الْحَافِظِ الْمُتَقَدِّمِ (مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ) وَهٰذَا هُوَ الصَّوَابُ فَقَدْ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ: لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ الْجُوْزَ جَانِيُّ: سَاقِطٌ وَّقَالَ الْبُخَارِيُّ: سَكَتُوْا عَنْهُ ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت بہت ضعیف ہے جیسا کہ تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر کے قول (متروک الحدیث میں) اشارہ ہے اور یہی درست ہے۔ امام الجرح والتعدیل ابن معین نے کہا: ابراہیم ثقہ نہیں اور جوزجانی نے کہا ہے: اعتبار سے گرا ہوا ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں: سَكَتُوْا عَنْهُ (امام بخاری کے نزدیک یہ کلمہ متروک الحدیث کے شبیہ ہے۔ ملاحظہ ہو اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر ص۱۱۸)

پھر شیخ البانی اپنے رسالہ "صلوۃ التراویح" میں فرماتے ہیں۔

وَلِذَالِكَ فَاِنِّيْ اَرٰى اَنَّ حَدِيْثَه هٰذَا فِيْ حُكْمِ الْمَوْضُوْعِ لِمُعَارَضَتِه لِحَدِيْثِ عَائِشَةَ وَجَابِرٍ كَمَا سَبَقَ عَنِ الْحَافِظَيْنِ الزَّيْلَعِيِّ وَالْعَسْقَلَانِيِّ

اور اسی لئے میری رائے یہ ہے کہ ابن عباس سے روایت موضوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ عائشہ اور جابر کی احادیث کے بھی معارض ہے جیسا کہ حافظ زیلعی اور حافظ عسقلانی کے اقوال میں گزرا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت قابل احتجاج و اعتبار نہیں ہے اس لئے حضرت عائشہ اور جابر کی روایت پر عمل کیا جائے گا جس میں آٹھ رکعت کا ذکر ہے۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے بیس تراویح ثابت نہیں اور نہ ہی ان کے دورِ خلافت میں یہ صحابہ کا معمول رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے سب کو جمع کر کے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّه قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً قَالَ وَقَدْ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ ۔

سائب بن یزید فرماتے ہیں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ راوی کا بیان ہے کہ قاری مئین سورتیں پڑھتا یہاں تک کہ ہم طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے اور ہم پو پھٹنے کے قریب (گھروں کو) واپس ہوتے۔

محدث شام شیخ البانی فرماتے ہیں: قُلْتُ: هٰذَا سَنَدٌ صَحِيْحٌ جِدًّا فَاِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ يُوْسُفَ شَيْخَ مَالِكٍ ثِقَةٌ اِتِّفَاقًا وَّاحْتَجَّ بِه

الشَّيْخَانِ وَالسَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ صَحَابِيٌّ حَجَّ مَعَ النَّبِيِّ (ﷺ) وَهُوَ صَغِيْرٌ۔

اس روایت کی سند بہت صحیح ہے کیونکہ محمد بن یوسف شیخ امام مالک بالاتفاق ثقہ ہے اور شیخین (بخاری مسلم) نے اس سے حجت لی ہے اور سائب بن یزید صحابی ہے جس نے بچپن میں نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان حضرت عائشہؓ وجابرؓ کی پہلے بیان کردہ احادیث کے عین موافق ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک مسنون گیارہ رکعت ہی ہیں جس پر آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔

باقی رہا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگوں کا معمول کیا تھا؟ سو وہ بھی بیس تراویح کسی صحیح طریق سے ثابت نہیں اور حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگوں کا باجماعت گیارہ رکعت پڑھنا صحیح روایت سے ثابت ہو چکا ہے۔ بیس رکعت والی روایات ضعیف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

روایت(۱):

موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے مروی ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگ رمضان میں تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس روایت کو امام بیہقی سنن کبریٰ اور المعرفة (معرفة السنن والآثار) میں لائے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یزید بن رومان لم یدرك عمر۔

اس روایت کے راوی یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا لہذا یہ روایت منقطع ہے جو ضعیف کی قسم ہے اور حافظ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں اس (جرح) پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے برقرار رکھا ہے۔

روایت(۲):

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں ایک روایت حافظ ابن عبدالبر سے نقل کی ہے۔

قَالَ: وَرَوَى الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ ذُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كَانَ الْقِيَا عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّعشرِيْنَ رَكْعَةً

سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت کا رواج تھا۔

اس اثر میں بھی ضعف ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں:

هٰذَا سَنَدٌ ضَعِيْفٌ لِاَنَّ ابْنَ اَبِيْ ذُبَابٍ هٰذَا فِيْهِ ضَعْفٌ مِنْ قِبَلِ حِفْظِه قَالَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِي الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ: قَالَ اَبِيْ: يَرْوِيْ عَنْهُ الدَّارَ وَرْدِيُّ اَحَادِيْثَ مُنْكَرَةً وَّلَيْسَ بِذَالِكَ القَوِيِّ يُكْتَبُ حَدِيْثُه قَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ: لَا بَأْسَ بِه۔

اِس اثر کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابن ابی ذباب حافظہ کمزور ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم "الجرح والتعدیل" میں فرماتے ہیں۔ میرے والد نے کہا دراوردی نے اس سے منکر احادیث نقل کی ہیں اور یہ با اعتماد نہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابو زرعہ نے کہا لا بَأْسَ بِهٖ اور حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں صدوق یہم اور تہذیب التہذیب میں ہے امام مالک اس پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

روایت(۳):

حافظ ابن حجر فتح الباری میں ایک اثر لائے ہیں فرماتے ہیں:

رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ مِنْ وَّجْهٍ اٰخَرَ (اَیْ مِنْ طَرِیْقِ دَاوٗدَ بْنِ قَیْسٍ) عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ فَقَالَ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ

اور عبد الرزاق نے اسے ایک دوسرے طریق سے روایت کیا ہے یعنی داؤد ابن قیس کے طریق سے جو محمد بن یوسف سے روایت کرتے ہیں: فرمایا: اکیس۔

یہ اثر بجائے اس کے کہ حنفیہ اس سے دلیل پکڑیں بلکہ ان کے مخالف ہے کیونکہ وہ ایک رکعت وتر کے قائل نہیں۔

شیخ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں۔

اس اثر میں کلام دو طرح سے ہے ایک تو یہ اثر گیارہ رکعت والے صحیح اثر کے مخالف ہے (شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوا)

دوسرا سبب اس میں بذات خود عبد الرزاق ہے جس کے متعلق تقریب میں ہے وقد کان عمی فی آخر عمرہ فتغیر

آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی زائل ہونے کے بعد حافظہ جاتا رہا تھا۔

اور حافظ ابو عمرو بن الصلاح نے علوم الحدیث ص ۳۵۵ میں ان کا شمار مختلطین میں کیا ہے اور امام نسائی فرماتے ہیں۔

نُظِرَ لِمَنْ کَتَبَ عَنْهُ بِاٰخِرَةٍ

جس نے عبد الرزاق سے آخری عمر میں لکھا ہے اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی جائے۔ مختلطین کے متعلق علماء اصول الحدیث کا قانون یہ ہے کہ جس نے اختلاط سے پہلے ان سے حدیث لی قبول کی جائے گی اور جس نے اختلاط کے بعد لی رد کر دی جائے گی۔ اگر معلوم نہ ہو سکے کہ آیا یہ روایت قبل از اختلاط ہے یا بعد از اختلاط تو پھر بھی رد کر دی جائے گی۔ اور زیر بحث اثر اسی قبیل سے ہے۔ وَاللهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

روایت(۴):

سنن کبری بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۶ میں یزید بن خصیفہ کے طریق سے ہے۔ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ: کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً قَالَ: وَکَانُوْا یَقْرَءُوْنَ بِالْمِئِیْنَ وَکَانُوْا یَتَوَکَّئُوْنَ عَلٰی عِصِیِّهِمْ فِیْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) مِنْ شِدَّةِ الْقِیَامِ۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگ ماہِ رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ مئین سورتیں پڑھتے اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے۔

یہ اثر کئی وجہ سے ضعیف ہے۔

الف۔ اس کی سند میں ابو عبد اللہ محمد بن حسین بن فنجویہ دینوری ہے اس کی ثقاہت ثابت نہیں ہو سکی فَمَنِ ادَّعٰی الصِّحَّةَ فَعَلَیْهِ بِالدَّلِیْلِ۔

ب۔ دوسرے راوی یزید بن خصیفہ کو امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے جس کا معنی امام احمد کے نزدیک یہ ہے کہ وہ راوی غریب احادیث بیان کرتا ہو۔ اس حدیث میں یزید اپنے سے اوثق (محمد بن یوسف) کی مخالفت کرتا ہے جس نے عمرؓ بن الخطاب سے صحیح سند سے گیارہ رکعات بیان کی ہیں اس لئے یزید بن خصیفہ کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے۔

ج۔ یہ روایت مضطرب ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی اپنی کتاب "صلاۃ التراویح" میں روایت نقل فرماتے ہیں۔ فَقَالَ إِسْمٰعِیْلُ بْنُ اُمَیَّةَ: اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ یُوْسُفَ ابْنَ اُخْتِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَخْبَرَہ (قُلْتُ: فَذَکَرَ مِثْلَ رِوَایَةِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ یُوْسُفَ ثُمَّ قَالَ ابنُ اُمَیَّةَ): قُلْتُ: اَوَاحِدٍ وَّعِشْرِیْنَ ؟ قَالَ (یَعْنِيْ مُحَمَّدَ بْنَ یُوْسُفَ): لَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنَ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ ابْنُ خَصِیْفَةَ، فَسَأَلْتُ (السَّائِلُ هُوَ اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اُمَیَّةَ) یَزِیْدَ بْنَ خَصِیْفَةَ ؟ قَالَ: حَسِبْتُ اَنَّ السَّائِبَ قَالَ: اَحَدٍ وَّعِشْرِیْنَ: قُلْتُ: وَسَنَدُہ صَحِیْحٌ ۔

یعنی جب اسماعیل بن امیہ نے یزید بن خصیفہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے گمان ہے (یعنی یقین نہیں) کہ سائب بن یزید نے اکیس رکعات کہا ہے (سند صحیح ہے) یہ حنفیہ پر حجت ہے کیونکہ تین وتر کی صورت میں رکعات تراویح اٹھارہ ۱۸ رہ جائیں گی۔ اس طرح یزید بن خصیفہ کی روایت میں بیس ۲۰ اور اٹھارہ ۱۸ کی وجہ سے اضطراب ہو گا۔

دیگر کئی آثار حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں لیکن وہ سب متکلم فیہ ہیں۔ ایسے ہی بعض آثار حضرت علی، ابی بن کعب اور عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب ہیں لیکن کوئی بھی جرح وقدح سے خالی نہیں۔

اس لئے اقرب الی الصواب یہی ہے کہ نماز تراویح گیارہ رکعت ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ وجابرؓ وغیرہ کی صحیح احادیث میں گزر چکا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رسالہ "المصابیح فی صلوۃ التراویح" میں امام مالک سے نقل کرتے ہیں۔

قَالَ الْجُوْدِیُّ مِنْ اَصْحَابِنَا مَّالِكٍ اِنَّه قَالَ الَّذِیْ جَمَعَ عَلَیْهِ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَحَبُّ اِلَیَّ وَهُوَ اِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً وَّهِیَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) قِیْلَ لَه: اِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً بِالْوِتْرِ قَالَ: وَلَا اَدْرِیْ مِنْ اَیْنَ اُحْدِثَ هٰذَا الرُّکُوْعُ الْکَثِیْرُ ۔

ہمارے اصحاب میں سے جوری مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں۔ جس شی پر حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔ یہی رسول اللہ (ﷺ) کی نماز ہے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کیا گیارہ رکعت بمعہ وتر؟ فرمایا: ہاں اور تیرہ رکعت بھی قریباً اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ یہ کثرت تعداد رکعت کہاں سے بدعت نکال لی ہے۔

مندرجہ بالا ساری بحث سے ثابت ہوا کہ رکعات تراویح میں سنت نبوی اور تعامل صحابہ آٹھ رکعت ہے۔

بعض علماء نے سنت نبوی آٹھ رکعت تسلیم کر لینے کے باوجود صحابہ سے بیس رکعات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان روایات کا ضعف ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں، نیز یہ بات قابل غور ہے کہ آٹھ رکعت سنت نبوی ثابت ہو جانے کے بعد بعض صحابہ کا عمل اگر بالفرض وہ زیادہ ثابت کر بھی دیں تو اس کی کیا پوزیشن ہو گی؟ انہیں اِنَّ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) مد نظر رکھنا چاہیے۔ صحابی شارع نہیں ہوتا کہ وہ مستقلاً قابل اتباع ہو۔ هٰذَا مَا عِنْدِىْ وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ضرورتِ قرآن اور اس کے فضائل

حضرت مولانا محمد صاحب کنگن پوری
ترتیب: اکرام اللہ ساجدؔ

ضرورتِ قرآن:

موجودات کی دو قسمیں ہیں، خالق اور مخلوق۔

ایک مختار مطلق ہے اور دوسرا محتاج مطلق، ایک مجسمۂ کبر و غنیٰ اور دوسرا سراپا عجز و نیاز، ایک علیم و خبیر اور دوسرا بے علم و نادان۔

ملائکہ، جنات اور انسان سب مخلوقات میں سے افضل و اعلیٰ ہیں جن میں سے ملائکہ تو خود ہی اپنے ادنیٰ مبلغ علم کے معترف ہیں۔

سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اَلْاٰيَة (البقرۃ:۳۲)

"یعنی اے اللہ تو پاک ہے، ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔"

اور جنات اپنی کوتاہ بینی کا یوں اعتراف کرتے ہیں۔

وَإِنَّا لَا نَدۡرِيٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي ٱلۡأَرۡضِ أَمۡ أَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا (الجن:۱۰)

"یعنی ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔"

رہا انسان، تو وہ بچپنے میں تو غلاظت اور گندگی سے بھی پرہیز نہیں کر پاتا اور بڑا ہو کر اگر اسے کوئی رہنمائی نہ دے تو اس کی حالت یوں ہوتی ہے کہ:

أُولَٰٓئِكَ كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ (الاعراف:۱۷۹)

"یعنی یہ لوگ تو (انسان ہونے کے باوجود) حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔"

اور پھر انسان نے تو اپنی جہالت پر مہر روزِ اول ہی سے لگا دی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ کی امانت کو اُٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں تک نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے بے باکی سے اس کا ذمہ اُٹھالیا۔

وَحَمَلَهَا ٱلۡإِنسَٰنُ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ (الاحزاب:۷۲)

لیکن اب جبکہ انسان نے اس فریضہ کی انجام دی کے لئے خود کو پیش کر ہی دیا تو ضروری تھا کہ اس کو علم و حکمت، رشد و ہدایت اور اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا جاتا کہ وہ اس فریضہ کی انجام دہی سے کماحقہ عہدہ برآ ہو سکے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات حقیقت احتیاج تعلیماتِ سماویہ کی بہترین ترجمان ہیں:

۱۔ ابو البشر حضرت آدمؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَعَلَّمَ آدَمَ ٱلۡأَسۡمَآءَ كُلَّهَا اَلْاٰيَة (بقرۃ:۳۱)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔"

۲۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، اب حیران و سرگردان ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح ٹھکانے لگائے۔ اللہ تعالیٰ اس بدبخت کی رہنمائی یوں فرماتے

ہیں:

فَبَعَثَ اللهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَه كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْأَةَ اَخِيْهِ (المائدہ:٣١)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے ایک دوسرے مردہ کوے کو زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ چنانچہ قابیل اپنی کم عقلی پر رویا کہ افسوس! میں اس کوے جیسی عقل نہیں رکھتا۔

٣۔ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَه الاٰية (الانبیاء:٥١)

"یعنی ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو ہدایت سے سرفراز کیا۔"

ایک دوسرے مقام پر انہی کے متعلق ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِىْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام:٧٦)

"اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھاتے رہے تاکہ وہ یقین کرنے والوں سے ہو جائے۔"

حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کو نصیحت کرتے ہوئے خود بھی اس کا اقرار کرتے ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے۔

يٰاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (مریم:٤٣)

"یعنی ابراہیمؑ نے فرمایا، اے میرے باپ، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ تجھے نہیں ملا، سو تو میری اتباع کر، میں تجھ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔"

٤۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَاِنَّه لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:٦٨)

"یعنی یعقوب علیہ السلام صاحبِ علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا اور اکثر لوگ بے علم ہیں۔"

٥۔ حضرت یوسف علیہ السلام من جانب اللہ تعلیم کے یوں معترف ہیں:۔

عَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (یوسف:١٠١)

"اے میرے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی۔"

٦۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

اٰتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَه مِمَّا يَشَاءُ (البقرۃ:٢٥١)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو بادشاہی اور دانائی کی باتیں سکھائیں اور جو چاہا سکھایا۔ نیز:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ (الانبیاء:٨٠)

”اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کی ترکیب بتائی تاکہ یہ تمہیں جنگ میں زخمی ہونے سے بچائے۔ تو کیا تم شکر نہیں کرتے؟“

۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام انعام الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنِ (النمل:۱۶)

”اے لوگو! ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے۔“

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف:۶۵)

”پس موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (حضرت خضرؑ) پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی اور اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔“

۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جبکہ وہ ابھی ”مہد“ ہی میں تھے تعلیماتِ الٰہیہ سے مستفیض ہونے کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

اِنِّيْ عَبْدُ اللهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (مریم:۳۰)

”یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب (انجیل) عطا کی ہے اور مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔“

۱۰۔ اب آیئے خاتم الانبیاء، سید الاولین والآخرین، امام المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف ارشادِ ربانی ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق:۳،۴،۵)

”یعنی اے میرے حبیب پڑھیے، آپ کا پروردگار بہت کریم ہے جس نے انسان کو قلم چلانا سکھایا اور اس کو ایسی باتیں سکھائیں جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

نیز فرمایا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ (یوسف:۳)

”یعنی ہم آپ پر بہت اچھا بیان کرتے ہیں اس طرح سے کہ ہم نے آپ کی طرف قرآن وحی کیا اور اس سے پہلے آپ بے خبر تھے۔“

اس کے بعد اُمت محمدیہ (ﷺ) کی رہنمائی اور احتیاج تعلیم الٰہی ملاحظہ ہو، فرمایا:

۱۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَآ اُحِلَّ لَهُمْ، قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ (المائدہ:۴)

”اے نبی آپ سے حلال چیزوں کے بارے میں استفسار کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے، تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

۲۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ (الاعراف:۱۸۷)

”اے نبی! آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟ آپ فرما دیجیے، اس کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی اس کو وقت پر ظاہر کرے گا۔“

۳۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (الانفال:۱)

”اور آپ سے غنائم کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ﷺ فرما دیجئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے اختیار میں ہیں، جسے چاہیں تقسیم فرمائیں۔“

۴۔وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرآءیل:۸۵)

"اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ﷺ فرمادیجئے کہ تمہارا علم کم ہے، اس لئے اس کی حقیقت کو نہ پاسکو گے، ہاں اتنا جان لو کہ روح امر ربی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو مردہ یا زندہ کرتا ہے۔

۵۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا، اِنَّا مَكَّنَّا لَه فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (الکھف:۸۳)

"اور آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا کچھ ذکر تمہیں سناؤں گا (اور اس کے بعد ذوالقرنین کا پورا قصہ موجود ہے۔)

۶۔وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (طٰہٰ:۱۰۶)

"اور آپ ﷺ سے پہاڑوں سے متعلق سوال کرتے ہیں کہ قیامت کو وہ باقی رہیں گے یا نہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ ان کو میرا رب روئی کی مانند ریزہ ریزہ کرکے اُڑادے گا اور زمین چٹیل میدان رہ جائے گی۔

۷۔يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِه عَلِيْمٌ (البقرۃ:۲۱۵)

"آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ ﷺ فرمادیجے جتنا بھی خرچ کرو بہتر ہے اور اپنا مال، والدین، قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھی نیکی کا کام کروگے اللہ اسے جانتا ہے (وہ تمہیں اس کا بھرپور اجر دے گا)"

۸۔يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ الاية (البقرۃ:۲۱۹)

"آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ فرمادیجے، ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔"

۹۔يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (البقرۃ:۲۲۰)

"اور آپ ﷺ سے یتیموں سے سلوک کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ ﷺ فرمادیجے کہ جس بات میں ان کا فائدہ ہے وہ کرو۔"

۱۰۔وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ (البقرہ:۲۲۲)

"اور آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ﷺ فرمادیجے، وہ ناپاکی ہے لہٰذا اس حالت میں عورتوں سے دور رہو۔"

۱۱۔وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرہ:۱۸۹)

"اور آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ﷺ فرمادیجے کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات کے تعین کا باعث ہے۔"

۱۲۔يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ، قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ (البقرۃ:۲۱۷)

"آپ ﷺ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجے اس میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔"

۱۳۔وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ:۱۸۶)

''اور جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ فرما دیجئے، میں قریب ہوں، اور ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔

۱۴۔وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ (النساء:۱۲۷)

''اور آپ ﷺ سے یتیم عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس بارے میں فتویٰ دیتے ہیں (اس کے بعد پورا فتویٰ مذکور ہے)

اسی طرح:

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ (النساء:۱۷۷)

اور آپ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں (اس کے بعد کلالہ کے بارے میں فتویٰ مذکور ہے)

اب عامۃ المسلمین کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

اَللهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَآءُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ، اُولٰئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:۲۵۷)

یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کے برعکس کفار، شیطان کے دوست ہیں جو انہیں نور کی طرف سے ہٹا کر تاریکیوں میں دھکیلتا ہے۔

اس کے بعد بطور مثال اللہ تعالیٰ تین واقعات بیان کرتے ہیں جن میں عام انسان تو کجا اللہ کے برگزیدہ بندے بھی تعلیم سماوی کے محتاج ہوئے۔ چنانچہ پہلا واقعہ ابراہیمؑ اور نمرود کا ہے جس کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ط وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:۲۵۸)

یعنی کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس کو اللہ نے بادشاہت دی اور وہ بادشاہی کے تکبر میں خدائی دعویٰ کر بیٹھا۔ ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارہ میں جھگڑا۔ ابراہیم نے فرمایا۔ میرا رب وہ ہے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیمؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لاکر دکھا، وہ ایسا مخبوط الحواس ہوا کہ بول بھی نہ سکا اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ابراہیمؑ نے پہلے حدوثِ عالم اور اس کے تغیر و تبدل سے خدا کی ہستی پر استدلال فرمایا کہ وہ جو نیست کو ہست اور ہست کو نیست کرتا ہے یعنی بے جانوں

کو جاندار اور جانداروں کو بے جان کرتا ہے، خدا ہے وہ نہ سمجھا تو پھر ایسی دلیل پیش کی جس کے سامنے وہ بول بھی نہ سکا اور گونگا ہو کر رہ گیا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ابراہیم کی نمرود کے مقابلہ میں ایسی مدد اور رہنمائی فرمائی کہ اس کی خدائی باطل کر کے رکھ دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وہدایت ہی کا نتیجہ تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس کے بعد دوسرا واقعہ عزیزؑ کا ہے۔ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِأَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ الآية (البقرہ:۲۵۹)

یعنی کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک بستی (بیت المقدس) پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ اس نے کہا، اللہ اس کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ نے اس کو سو سال تک مار دیا پھر اس کو زندہ کر کے پوچھا تو یہاں کتنی دیر رہا؟ اس نے کہا، ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا، بلکہ تو یہاں سو برس رہا۔ پس اپنے کھانے اور پینے کو دیکھ بدبودار نہیں ہوا اور گدھے کو دیکھ کہ ہم اس کی ہڈیاں کس طرح جوڑتے ہیں اور گوشت پوست کس طرح چڑھاتے ہیں اور زندہ کیونکر کرتے ہیں پس جب اس نے یہ سب کچھ دیکھا تو بول پڑا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے عزیزؑ کو رہنمائی فرمائی اور علم الیقین سے ان کو عین الیقین کے مقام تک پہنچایا جو ہمارے لئے بھی عین الیقین کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا ولنجعلك اية للناس یعنی ہم نے تیرے اور تیرے گدھے کے زندہ ہونے کو لوگوں کے لئے مردوں کے زندہ ہونے کی دلیل بنایا۔

اس کے بعد ابراہیمؑ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کو بھی علم الیقین سے عین الیقین حاصل کرنے کا شوق لاحق ہوا تو انہوں نے بھی سوال کر دیا۔ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرۃ:۲۶۰) اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو ایمان نہیں لایا؟ فرمایا ایمان تو لایا ہوں لیکن اطمینان قلب کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی علم الیقین سے عین الیقین کرنے کی تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا چار جانور لے اور ان کو ذبح کر کے خلط ملط کر کے پہاڑوں پر رکھ پھر ان کو بلا۔ وہ زندہ ہو کر تیرے پاس دوڑے آئیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان تینوں واقعات سے ثابت ہوا کہ بڑی بڑی ہستیاں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی خدا کی تعلیم اور رہنمائی کے محتاج ہیں۔

مذکورہ بالا تمام آیاتِ قرآنیہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے بندوں کے علم وہدایت کی خاطر احکام نازل کئے اور انبیاء کے ذریعے ہر مشکل وقت میں ان کی راہنمائی فرمائی اور یہ کہ انسان ہر زمانہ اور ہر وقت میں تعلیم الٰہی کا محتاج رہا ہے اور محتاج رہے گا اور پھر ان تمام تعلیماتِ الٰہیہ کو قرآن مجید میں جمع کر کے (مجملہ ان تمام علوم کے جو امت محمدیہ کے حق میں بالخصوص نازل کئے گئے ہیں) امت محمدیہ کو ان تمام سے روشناس کرا دیا۔ اب اگر ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن مجید خداوند کریم کی آخری کتاب ہے، اس کے بعد کوئی کتابِ الٰہی نازل نہ ہو گی اور یہی ایک ایسی کتاب ہے جو اب قیامت تک لوگوں کی رہنمائی اور رشد وہدایت کی باعث ہو گی تو ہمیں قرآن مجید کی ضرورت اور اہمیت کو بلا حیل وحجت تسلیم کرنا پڑے اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ اہمیت اس قدر اہم ہے کہ اس کے بغیر انسان ایک قدم بھی نہیں چل سکتا اور جو یہ کوشش کرے گا تباہی کے مہیب غار اس کو

اپنی آغوش میں لے لیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج جو قومیں قرآن مجید کو ایک فرسودہ کتاب قرار دیتے ہوئے اس سے دور ہوتی چلی جارہی ہیں ان میں انسانیت نام کو بھی باقی نہیں رہی، ان میں سود خوری، شراب نوشی، جوابازی، حرام کاری، عورتوں سے بڑھ کر مردوں سے ناجائز اختلاط، قتل وغارت گری، انکارِ خدا، انکارِ رسول جیسی قبیح عادات ویسے ہی رواج پاچکی ہیں جیسے پہلی معتوب ومغضوب قوموں میں موجود تھیں۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے موجودہ دور کے مسلمان بھائی بھی ان برے افعال کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہیں اور یہ بھی بلاشبہ قرآنی تعلیمات کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہے۔ مسلمان کا منصب تو یہ تھا کہ ان برائیوں کو جہاں کہیں بھی دیکھتا، ان کو اپنے ہاتھ، زبان اور طاقت سے دور کرنے کی سعی کرتا لیکن افسوس ہے

ہم ایسے ہیں کہ ہمیں اپنی خبر نہیں

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

فضائلِ قرآن:

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ گوہر آب دار اور ایک ایک آیت دُرِّ نایاب ہے۔ زبان میں طاقت نہیں کہ اس کی تعریف بیان کر سکے اور قلم سکت نہیں رکھتا کہ سا کی صفات کو صفحہ قرطاس پر بکھیر لے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اس وقت آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر جتنی کتابیں یا کلام آسمانی یا انسانی موجود ہیں ان میں سب سے ارفع واعلیٰ، بہتر اور برتر، معتمد اور صادق، غیر مبّدل اور غیر متغیر قرآن مجید اور صرف قرآن مجید ہے۔

اکبرؔ الٰہ آبادی سے کسی نے خدا کے بارے میں پوچھا تھا کہ "خدا کیا ہے؟" تو انہوں نے برجستہ جواب دیا تھا کہ "خدا ہے اور کیا ہے!

اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر خداوند کریم کی تعریف ممکن نہیں۔ بالکل اسی طرح قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا قرآن مجید خود ہی اگر اپنے متعلق کچھ بیان کر دے اور اپنے بارے میں خود ہی کوئی تعریفی الفاظ استعمال کر دے تو انہیں حرفِ آخر سمجھا جائے گا کیونکہ کلام خداوندی کی تعریف انسان کے بس سے باہر ہے ہاں یہ ممکن نہیں کہ خداوند کریم خود اپنے کلام کی تعریف نہ بیان فرما سکیں لہٰذا اس کے لئے ہمیں ارشادِ خداوندی ہی کا سہارا لینا پڑے ا۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی تعریف صرف قرآن مجید ہی سے ممکن ہے اور یا پھر اللہ کے رسول ﷺ کا کلام روشن بیان اس سلسلے میں ہمارے لئے بہترین راہ نما ثابت ہو سکتا ہے۔

لہٰذا یہاں ہم پہلے قرآن مجید کی ان آیات کو ضبط تحریر میں لائیں گے جو خود قرآن مجید کے فضائل پر روشنی ڈالتی ہیں اور اس کے بعد احادیثِ مبارکہ کا بیان کریں گے۔

فضائل قرآن، قرآن مجید کی روشنی میں:

ارشادِ ربانی ہے:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ (الطور:۳۴)

"یعنی (قرآن مجید کی مثل کوئی کتاب بھی نہیں) اور اگر ہے اور تم اس دعوے میں سچے ہو تو اس کی مثل ایک آیت ہی لا کر دکھا دو۔"

پندرھویں پارہ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل:۸۸)

"یعنی ساری دنیا کے انسان اور جن باہم مل کر اگر یہ کوشش کریں کہ اس قرآن کی کوئی مثل کوئی کتاب لائیں تو وہ اس مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"

پارہ الم سورہ بقرۃ میں ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرۃ:۲۳)

یعنی اگر تمہیں قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہو تو تم اور تمہارے معبودانِ باطلہ اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ، اگر تم سچے ہو (لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے)

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب قرآن مجید جیسی موجود نہیں یہ بے نظیر اور بے مثال ہے۔

کسی نے خود کہا ہے کہ "کلام الملوک ملوک الکلام" یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے بھی قرآن مجید کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ جب خداوند کریم کا کوئی ثانی موجود نہیں ہے۔

"وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص:۴) یعنی خدا کی برابری کرنے والا کوئی بھی نہیں۔

تو خداوند کریم کے کلام کا مقابلہ بھی کوئی نہیں کر سکا۔

فضائل قرآن احادیث کی روشنی میں:

۱۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِيَ السَّآئِلِيْنَ۔

"یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو شخص تلاوتِ قرآن میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اس کو میری یاد اور مجھ سے کچھ مانگنے کا بھی وقت نہ ملے تو میں ایسے شخص کو تمام سوال کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کروں گا۔"

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ اَفْضَلُ مِنَ

الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ (رواہ البیھقي في شعب الایمان، مشکٰوۃ ص۱۱۵)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن نماز میں بغیر نماز کی تلاوت سے بہتر ہے اور بغیر نماز کے تلاوت کرنا تسبیح و تکبیر سے بہتر ہے اور تسبیح صدقہ سے بہتر ہے اور صدقہ نفلی روزہ سے بہتر ہے اور روزہ دوزخ کی ڈھال ہے۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا۔"

۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ هٰذِه الْقُلُوْبَ تَصْدَا كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ اِذَا مَا بِهِ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا جَلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُراٰنِ رواه البيهقى فى شعب الايمان

"یعنی حضرت ﷺ نے فرمایا کہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ لوہا پانی لگ جانے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے، پوچھا گیا یا رسول اللہ، دلوں کا زنگ کس طرح دور ہو گا؟ فرمایا موت کے ذِکر اور تلاوتِ قرآن سے۔ بیہقی نے اس کو روایت کیا۔"

۴۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَيْرُ كُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُراٰنَ عَلَّمَه رواه البخارى۔

"یعنی جو شخص قرآن سیکھے اور اس کے بعد اوروں کو سکھائے وہ سب سے بہتر ہے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔"

۵۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا رَوَاه احمد والترمذى وابو داؤد والنسائى

"عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، جیسا تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا اور جنت کے درجات میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک چڑھا چلا جا۔ پس جس مقام پر تو پڑھنا ختم کر گا وہ تیرا آخری مقام ہو گا۔ اس کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔"

اس روایت میں جہاں یہ مذکور ہے کہ حافظِ قرآن مجید کا بڑا درجہ ہے وہاں یہ بھی عیاں ہے کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہئے نہ کہ اس قدر تیز کہ کوئی لفظ بھی صحیح طور پر نہ پڑھا جا سکے۔

۶۔ عَنْ مُّعَاذِنِ الْجُهَنِي قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُراٰنَ وَعَمِلَ مِمَّا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدُه تَاجًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُه اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٖنَّ (رواه احمد وابو داؤد)

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ جس کی وشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ جب کہ سورج آسمان کے بجائے تمہارے گھروں میں موجود ہو اور پھر یہ بھی اندازہ کرو کہ جس شخص کے والدین کی یہ عزت ہے وہ خود کس قدر قابلِ عزت ہو گا! اس کو احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا۔"

۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ

وَيَتَتَعْتَعَ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَّه اَجْرَانِ متفق عليه

"حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قرآن کا ماہر، لکھنے والے بزرگ نیکوکار کے ہمراہ ہو گا اور جو قرآن پڑھنے میں تکلیف اُٹھاتا ہے اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔"

۸۔ نْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺ مَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَّطَعْمُھَا طَیِّبٌ وَمَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِیْحَ وَطَعمُھا حُلْوٌ الحدیث متفق علیه

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قرآن مجید پڑھنے والے کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی بہت عمدہ ہے اور مزہ بھی نہایت اچھا، اور قرآن نہ پڑھے ہوئے کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں خشبو نہیں ہے اور مزہ شیریں ہے۔ اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا۔"

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جو فضائل قرآن کے ضمن میں آتی ہیں لیکن اختصار کی خاطر چند احادیث درج کر دی گئی ہیں۔

چند اور خوبیاں:

قرآن مجید کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ ہر زمانہ اور ہر دور کے لوگوں کے لئے قدیم ہونے کے باوجود نیا ہے۔ یعنی ہر پڑھنے والا خواہ وہ کسی زمانہ سے تعلق رکھتا ہو یہی محسوس کرتا ہے کہ اس کی ہر بات گویا اسی کے لئے کہی گئی ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اس میں اب تک کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہو سکی۔ کیوں نہ ہو خداوند کریم نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

"بے شک ہم نے اس ذکر (کتاب) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

الغرض یہ وہ کتاب ہے جس نے عرب کے گڈریوں کو شاہ جہاں، رہزنوں کو پاسبان، ظالموں کو عادل، سنگ دلوں کو رحمدل، دشمنوں کو دوست، بدخواہوں کو خیر خواہ، گمراہوں کو ہادی، مفسدوں کو مصلح، بت پرستوں کو موحد، حریصوں کو زاہد اور خود غرضوں کو خادمِ انسانیت بنا دیا۔

یہی وہ کتاب ہے جس کی تعلیم نے عرب کے بدوؤں کو فلاسفر جہاں، استادِ زماں اور حکماء دوراں بنایا۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں ماضی اور مستقبل، زندگی اور موت، قبر اور قیامت، حشر اور نشر، ہر قسم کی خبریں موجود ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں سیاسی اور تعبدی، معاشرتی و اقتصادی، شاہی اور گدائی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول پائے جاتے ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے قوانین کا نفاذ ستم کدہ دنیا کو آماجگاہ امن اور نار کو گلزار بنا سکتی ہے اور ہمارا یہ بیان کسی ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ تاریخ شاہد ہے، صحابہؓ کا زمانہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔

وائے افسوس! کہ صحابہ تو اس کتاب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر بامِ عروج کے آخری منازل تک جا پہنچے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے مالامال ہو کر خیر الامم اور

خیر البریہ کہلائے۔ اپنے اور بے گانے ان کے زیر سایہ رہنا خوش قسمتی اور غنیمت تصور کرتے تھے لیکن ہم قرآن سے دور ہٹ کر غیروں کے تابع ہو گئے اور ادبار و شقاوت کے اسفل ترین گڑھے میں جا گرے۔ اپنے اور بے گانے ہم سے متنفر ہو گئے اور ہماری ہمسائیگی سے بھاگنے لگے۔

اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایک الگ ملک دیا جس میں ہم اپنی مرضی سے اپنی روایات (اسلامی) کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔ قادر مطلق نے ہمیں ایک غیر قوم انگریز کی غلامی سے آزادی بخشی لیکن ہم خداوند کریم کا شکریوں بجالائے کہ نہ تو عوام نے ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں کے سانچے میں ڈھالا اور نہ ہی ہماری حکومتوں کو یہ توفیق حاصل ہوئی کہ اس خطۂ ارض میں اسلامی نظام کا اجرا کرتیں۔ بہر حال ابھی پانی سر سے نہیں گزرا۔ اگر اب بھی ہم خدا کے نیک بندے بن جائیں، اپنی زندگیاں قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں اور اپنے ملک میں قوانین اسلامی کا نفاذ کر دیں تو یہی خطۂ ارض، ملک کبیر، جنت نظیر بن جائے اور پھر اسلام کے دشمنوں کو ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے۔ آمین! (ان شاء اللہ)

هٰذا كلام ربی

خواجہ عبد المنان رازؔ

سرچشمۂ ہدایت قرآن ہی تو ہے	اکمل خدا کی نعمت قرآن ہی تو ہے
گنجینۂ شریعت قرآن ہی تو ہے	سرمایہ بصیرت قرآن ہی تو ہے
علم و عمل کا حاصل ہوش و خرد کا رہبر	فکر و نظر کی دولت قرآن ہی تو ہے
مغرب کے فلسفیوں سے کیا روشنی ملے گی	لاریب نورِ حکمت قرآن ہی تو ہے
ہر فلسفے کو جانچا ہر اک نظام پرکھا	راحت سراپا راحت قرآن ہی تو ہے
ہر فلسفہ ہلاکت ہر اک نظام فاسد	رحمت سراپا رحمت قرآن ہی تو ہے
باطل کی ظلمتوں کو کافور جو کرے گا	وہ مہرِ علم و حکمت قرآن ہی وہ ہے
سوز و گداز جس نے حضرت عمرؓ کو بخشا	وہ دلنشیں تلاوت قرآن ہی تو ہے
دانش وروں سے ہو گی کیا دین کی صراحت	اسلام کی صراحت قرآن ہی تو ہے
غارِ حرا سے نکلے لے کر رسولِ اکرم ﷺ	جو بے مثال دعوت قرآن ہی تو ہے
قرآن ہی نبی ﷺ کی سیرت کا آئینہ ہے	نقش و نگارِ سیرت قرآن ہی تو ہے
بس آخری نبی ہیں حضرت رسولِ اکرم ﷺ	اس کی بڑی شہادت قرآن ہی تو ہے
جو حسن جو صداقت انسان ڈھونڈتا ہے	وہ حسن وہ صداقت قرآن ہی تو ہے
ہر نیک و بد کی اُس نے ہم کو تمیز بخشی	فرقان در حقیقت قرآن ہی تو ہے
خلوت کا رہنما یہ جلوت کا رہنما یہ	دستور در حقیقت قرآن ہی تو ہے
ہر حرف، حرفِ آخر، ہر قول، قولِ فیصل	حجت تمام حجت قرآن ہی تو ہے
ہر نکتہ ایک نکتہ، ہر نکتہ نکتہ پرور	ہر نقش نقشِ فطرت قرآن ہی تو ہے
ہر لفظ پُر معانی ہر معنی حسنِ معنی	قلب و نظر کی جنت قرآن ہی تو ہے
ہر ہر سطر میں جس کی ہیں مستتر حقائق	وہ نامۂ ہدایت قرآن ہی تو ہے
خوش بو سے رازؔ جس کی روح بھی ہے معطر	وہ عطر مشکِ نکہت قرآن ہی تو ہے
قربان عکرمہؓ کے کیا میٹھا بول بولا	

ھٰذا کلامُ ربی، ھٰذا کلامُ ربی

"محدث" معاصرین کی نظر میں

ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

ہر اہل حدیث اس سے باخبر ہے کہ روپڑی خاندان ایک عرصے سے برصغیر ہند وپاک میں مسند رشد وہدایت، وعظ و تبلیغ اور تدریس وافتاء کا حامل چلا آرہا ہے۔ اس خاندان کے مولانا حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی، مولانا حافظ محمد حسین اور حضرت العلام مولانا حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی رحمہم اللہ نے جو علمی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن باب ہیں۔ مقام شکر ہے کہ ان کے خلاف بھی اپنے اسلاف کے جذبے سے سرشار اور ان کی روش پر گامزن ہیں۔ جوان سال وجوان ہمت حافظ عبد الرحمن صاحب بن مولانا حافظ محمد حسین روپڑی محوم اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ ابھی کچھ عرصے قبل سے انہوں نے ایک دینی مدرسہ بھی جاری کیا ہے جس میں عربی کے ساتھ انگریزی تعلیم کا بھی بندوبست کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اب ان کے جذبہ وہمت نے ان سے ایک علمی ماہنامے کا بھی اجراء کرا دیا ہے۔ جس کا پہلا شمارہ ہمارے پیش نظر ہے۔ جماعت کے مشہور صاحب قلم مولانا عزیز زبیدی صاحب کا تعاون بھی اس پرچے کو حاصل ہے۔ پہلا اداریہ ان ہی کے قلم کا مرہون منت ہے جس میں انہوں نے عام فہم اور ہلکے پھلکے انداز میں مسلک اہل حدیث کی وضاحت، ان کی خدمات اور تاریخی پس منظر کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ یہ رسالہ دیگر علمی مضامین، حالات حاضرہ سے متعلق دلچسپ مباحث اور ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ ہم اس کے اجراء کا خیر مقدم، اس کے نکالنے والوں کو ہدیہ تبریک اور کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔ قارئین "الاعتصام" اور دیگر برادران اہل حدیث کو اس کے ساتھ تعاون اور اس کی اشاعت میں پورا حصہ لینا چاہئے۔

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

اس وقت ماہنامہ "محدث" لاہور کی پہلی جلد کا پہلا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ ماہنامہ ظاہری وباطنی خوبیوں کا حسین مرقع ہے۔ آرٹ پیپر کے خوب صورت یک رنگے سرورق اور سفید کاغذ کے ۶۴ صفحات کے اس رسالے میں نہایت بلند پایہ مضامین شامل ہیں جن میں سے مدیر کے قلم سے مسلک اہل حدیث کا ماضی اور حال (اداریہ) مولانا عبد الرؤف صاحب (جھنڈانگری) کا مضمون اغنیاء پر مساکین وغربا کی ذمہ داری، حافظ نذر احمد صاحب کا مقالہ طب نبوی اور حافظ محمد اسماعیل صاحب روپڑی (مرحوم) کی تحریر "صدقۃ الفطر اور عید الفطر کے احکام ومسائل" خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ ان کے علاوہ سیاسیات ومسائل حاضرہ سے متعلق تین مضامین مشرق وسطیٰ کا المیہ (از محمد زبیر سپرا) سیاسیات کے چند عام مسائل (جناب عزیز زبیدی) اور فحاشی وعریانی کے خلاف جہاد (عبد الغفار اثرؔ) بھی ضروری اور اہم مطالعے ہیں۔ ادارے کی طرف سے "جائزے" کے عنوان سے کچھ صفحات مرتب کئے گئے ہیں جو ایک دلچسپ سلسلہ ثابت ہو سکتا ہے۔

"محدث" کی مجلس تحریر میں حسب ذیل فضلا کے نام شامل ہیں۔

حافظ ثناء اللہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، مولانا عبد السلام (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، حافظ ثناء اللہ خاں ایم، اے، چوہدری عبد الحفیظ ایم، اے، عزیز

زبیدی اور عبد الغفار اثر۔

امید کی جاسکتی ہے کہ ان سب حضرات کی اجتماعی کوششوں سے رسالہ بہت جلد اہلِ ذوق کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گا۔ "محدث" کے مدیر اور مجلس تحریر کے دیگر افراد رسالے کی کتابت، طباعت اور مضامین کے انتخاب کے سلسلے میں سلجھے ہوئے ذوق کے مالک ہوتے ہیں اور زیر نظر شمارہ ہر اعتبار سے ان کے ذوق کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ رسالہ ہمیشہ جاری رہے اور دین و علم کی بیش از بیش خدمات انجام دے۔ ہم جملہ اہل اسلام سے عموماً اور اہل حدیث حضرات سے خصوصاً "محدث" کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں۔

ہفت روزہ ایشیا لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء

یہ مجلہ ملک کی علمی اور اصلاحی کوششوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ مجھے چند پرچے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، ہر پرچہ بلند پایہ علمی معیار کا حامل تھا۔ پرچے میں نہ صرف خالص دینی موضوعات ملتے ہیں بلکہ جدید مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے اعلیٰ معیار کے معلومات افزا مضامین کا التزام بھی موجود ہے۔ علم دوست حضرات کے لئے یہ مجلہ باعث مسرت ہو گا۔ کتابت اور طباعت کے اعتبار سے یہ پرچہ درجہ اول کے مجلات میں شمار کیا جاسکتاہ۔

ہفت روزہ "لاہور" لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

علمی و اصلاحی مجلوں کا اصل وظیفہ تحقیق و تدقیق کے بعد اپنی اس کاوش کے حاصل کو ایسے غیر جانبدار، بالواسطہ اور محبت آفرین رنگ میں پیش کرنا ہوتا ہے کہ تلخ سے تلخ بات بھی ترانوالہ کی طرح فکر و نظر کے حلق سے نیچے اتر کر محسوسات میں نیک تغیر پیدا کر دے۔ اسی لئے ایسے جریدے نہ کبھی سطحی بحثوں سے الجھتے ہیں نہ فروعی اختلافات کی وغا آرائی میں حصہ لیتے ہیں اور اظہار بیان کے لئے تلخ و تیز زبان کا استعمال تو ان کے یہاں علمی گناہ متصور ہوتا ہے اطمینان بخش ہے یہ بات کہ "محدث" ابھی تک اس تعمیری ڈگر پر قائم ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس میں مداومت اختیار کرنے کے بعد علمی دنیا میں اپنے لئے شایانِ شان مقام مختص نہ کرا لے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقتادی اعتبار سے "اصلاح وارشاد" "تحقیق و تدقیق" اور تبلیغ و تربیت کے کام خسارے کا سودا ہو کہ یہ مشن بہت جامع، طویل المیعار اور دور رس ہوتا ہے اس مشن کے علمبردار جریدوں کے تنزل والخطاط کی ساعت اول وہ ہوتی ہے جب انہیں ایک نقد آور فصل جان کر ایک خاص رنگ و رعنائی کے ساتھ بہر حال جاری رکھنے کی غرض سے ان کے مخصوص و بلند مشن کو نظر انداز کر کے ان میں سستے، سطحی اور لذیذ مواد کی آمیزش کا فیصلہ کر لیا جائے جب کہ ان کی حقیقی منفعت تو آنکھوں کے دیکھنے کی نہیں دلوں اور روح کے محسوس کرنے کی چیز ہوتی ہے کیونکہ یہ تحقیقی خریطے ٹکے بٹورنے کے لئے نہیں دلوں کا رخ موڑ دینے کا عزم لے کر میدان عمل میں اترتے ہیں۔ امید ہے کہ "مجلس التحقیق الاسلامی" نے جو اس کساد بازاری کے باوجود اس کارِ اہم کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اس کارِ خیر کا آغاز صوری و معنوی رعنائیوں کے ساتھ اس تزک و احتشام سے کیا ہے یہ ایثار جاری رہے گا اور "محدث" کا علمی و تحقیق معیار روز بروز بڑھتا ہی رہے گا۔ بہتر ہو کہ تحقیق و تصریح کے لئے مسائل کا انتخاب کرتے وقت ظواہر پر بواطن کو ترجیح دی جائے۔ قلب و روح کا تزکیہ ہو جائے تو ظاہر کو اسی رنگ میں رنگنے کی اُمنت پیدا ہو جانا ایک فطری ردّ عمل ہے۔